سلسلۂ بلقیسیہ

(۱)

گہوارۂ تمدن

اثر

نیاز فتحپوری

سلسلۂ بلقیسیہ

(۱)

گہوارۂ تمدن

یعنی

اُردو زبان میں اپنی قسم کی سب سے پہلی تصنیف جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عورت نے ازمنۂ قدیمہ میں تہذیب وارتقائے عالم کا کس قدر ساتھ دیا اور دنیا کی شائستگی اور مدنیت عورت کی کس درجہ ممنون ہے

اثر

جناب مولانا نیاز فتحپوری

دارالطبع۔ انڈین پریس لکھنؤ

دارالاشاعت صدیق بکڈپو لکھنؤ

بار دوم

قیمت ۱ روپیہ

The Book Of Life

فہرست مضامین

انتساب

مانا کہ لعل و گہر، بغیر کسی وصفِ اضافی کے بھی، دنیا میں اک مستقل امتیاز رکھتے ہیں؛ لیکن اُن کا حقیقی شرف تو اُس طرفِ کلہ سے وابستہ ہے جہاں جگمگانے کے لئے وہ حقیقتاً وضع ہوئے ہیں۔ اِسلئے اگر میں ان اوراق کو

علیاحضرت، بلقیس مرتبت، نوشیرواں نصفت، گردوں رکاب والاجناب، نواب سلطان جہاں بیگم، جی سی ایس۔ آئی، جی سی آئی ای، جی بی ای۔ اذا مہا اللہ بالعزّ والکمال فرمانروائے دارالاقبال بھوپال

کے اسم گرامی سے منسوب کرنے کی عزت حاصل کرکے مسرور و مفتخر ہوں، تو جائے حیرت نہیں، کیونکہ اربابِ نظر لعل و گہر کو نہیں بلکہ "عروجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں"

نیاز

تعارف

دنیا ترقی کرتی جارہی ہے، اور اُس کی رفتار ترقی اسقدر سریع ہے کہ آسانی سے نہ کوئی تاریخ اُس کا تعاقب کرسکتی ہے، اور نہ کسی کی قوت خیال لیکن ہندوستان، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے الگ ایک حصّہ زمین ہے، جہاں نہ قوموں کے عروج وزوال کا فلسفہ اپنا کوئی اثر رکھتا ہے اور نہ اُصول ارتقا اپنی کوئی قوت۔

(انسان کے لئے تفریح، یقیناً ضروری چیز ہے، لیکن ایک بیکار ومعطل دماغ، ایک غیر متحرک نظام عصبی، ساری عمر راحت ولطف کی جستجو کرے، مگر وہ اُسے حاصل نہیں کرسکتا، کیونکہ راحت نام ہے صرف ازالۂ خستگی کا۔ ایک طائر کے نازک پر وبال، تمام دن حرکت کرنے کے بعد شام کو نعمت حاصل کرسکتے ہیں، لیکن ایک بیمار کے بازو جو اپنے جمود میں اس لطف کو کھو چکے ہیں کیا توقع قایم کرینگے؟)

اگر کوئی قوم، اپنے دماغ کو مطالعۂ علوم و فنون کے بعد، ادب لطیف کی تلاش کرے، تو اُس کو حق حاصل ہے۔ کیونکہ دماغ کی خستگی کو سکون کی ضرورت ہے اور ادب لطیف بہترین تسکین دماغ، لیکن ہندوستان میں ایک قوم ایسی ہے، جو پانی کی طلبگار ہے۔ حالانکہ اُسے پیاس نہیں، جو غذا کی متمنی ہے، حالانکہ اُسے بھوک نہیں۔ اُسنے کوئی دماغی محنت نہیں کی لیکن وہ صرف قصص و حکایات پسند کرتی ہے۔ فطرت اس لایعنی آرزو پر ہنستی ہے۔ دوسری قوموں کو اپنے مشاغل سے اس کی بھی فرصت نہیں۔

(دماغ اول اول ہمیشہ اس کام سے انحراف کرتا ہے جس پر اُسے غور کرنا پڑے۔ لیکن اگر ذرا تکلیف برداشت کر کے اُسے تفکر و تدبر کا عادی بنا دیا جائے تو پھر اُس کے لئے اس سے زیادہ دلچسپ مشغلہ اور کوئی نہیں کہ وہ دو چیزوں کے رابطۂ باہمی کو دیکھ کر، تیسری چیز پر حکم لگایا کرے یہی ہے اصل فلسفہ اور یہی ہے ترقی کا تنہا راز۔

(یوں تو، تم اسکے لئے بیقرار رہتے ہو کہ شہر میں رات کیا حادثہ پیش آیا، محلہ میں فلاں واقعہ کیونکر ہوا؟ لیکن تمھاری تلاش و جستجو کیلئے تمھارے محلہ اور شہر سے زیادہ وسیع ساری زمین موجود ہے۔ پھر کیوں نہیں غور کرتے کہ تم سے قبل اس پر کیا واقعات گزر چکے ہیں، غالباً تمھارے لئے

اس میں بہت زیادہ سامانِ دلچسپی موجود ہوگا۔

تم جب یہ جان لیتے ہو کہ فلاں شخص نے کوئی احسان کیا ہے، تو تم اسکی عزت کرنے لگتے ہو، پھر کیوں نہیں عزت کرتے اپنی نوع میں اُس جنس کی، جس نے تم پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں اور جس کی عزت کرنا تمھارے اوپر نہ صرف اس لئے فرض ہے کہ تمھاری زندگی اُس کی رہینِ منّت ہے بلکہ اسلئے بھی کہ اگر تم ترقی کر سکتے ہو، تو صرف اُسی کے خیال احترام کے ساتھ اور اسی کی عزت کو پیشِ نظر رکھ کر۔

کسی کی عزت کرنا حقیقتاً اُس کے اخلاق کو بلند کر دینا ہے۔ عورت کی عزت کرو تاکہ اُس کے اخلاق بلند ہوں۔ اُس کے اخلاق بلند کرو تاکہ تمھاری نسل میں خلق حسن پیدا ہو، کہ یہی ہے حقیقی بنیاد ایک قوم کی ترقی کی۔

تم کہتے ہو کہ موت سے ڈر لگتا ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم اُس کے طلب کرنے پر مصر ہو، کیونکہ حقیقی موت جسم نہیں بلکہ روح کا فنا ہو جانا ہے اور روح کا فنا ہونا، یہی ہے کہ تم اُسے کائنات کے علم سے بے بہرہ رکھو اور اپنے اخلاق کو پست۔

اسلئے اگر تمھیں کوئی ہستی ایسی نظر آئے، جو اپنی قوم کا سچّا درد دل

میں رکھتی ہو، جس کی زندگی کا کوئی لمحہ اس فکر سے خالی نہیں کہ ہندوستان
بھی ایسی ماں پیدا کرنے لگے جس کے اخلاق بلند ہوں اور جو اپنی اولاد
میں ترقی کا صحیح ولولہ پیدا کر سکے، تو ہم کو پرستش کرنی چاہیئے اُس کے
جذبات کی، اور احترام کرنا چاہیئے اس کے وجود کا، کہ اس دورِ انحطاط و
تنزل میں ایسی ذات حقیقتاً اندھیری رات کا وہ تنہا چمکنے والا تارہ ہے
جس کے سہارے سے طوفانی سمندر کے بھٹک جانے والے جہاز پھر
صحیح راستے پر چل سکتے ہیں۔

بنابراں اگر میں اپنی نیایش و گزارش کو علیا حضرت ہر ہائنس
نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بالقابہا ادامہا اللہ
بالعز والاقبال، فرماں روائے بھوپال کے ساتھ وابستہ
دیکھتا ہوں، تو بے محل نہیں، کیونکہ جنس لطیف کے حکمراں افراد میں اس
وقت یہی اک وہ ذات ہے، جو اپنی علم نوازی، حقیقت شناسی۔
رفعت اخلاق، حسن صفات صحتِ فکر و اصابت رائے میں اپنا نظیر نہیں
رکھتی اور جو اپنی جنس کے اخلاق کو سطح مرتفع پر لانے کے لئے ہر ممکن
تدبیر عمل میں لانا اپنا نصب العین سمجھتی ہے۔ تابندہ باد خورشید اقبال
سلطانی !!!

اسی سلسلہ میں میرا دوسرا اہم فرض یہ ہے کہ شکریہ صمیم ادا کروں۔

علیا حضرت ادام اللہ بالعز والاقبال کے سب سے چھوٹے شاہزادے عالی جناب لفٹننٹ کرنل حاجی محمد **حمید اللہ خاں** بہادر بی۔ اے چیف سکریٹری گورنمنٹ بھوپال کا جن کی نگاہِ حقیقت شناس و فہم نکتہ رس نے میری بہت سی خوابیدہ تمناؤں کو بیدار کر دیا۔ اگر جذبات منت پذیر کی نزاکت الفاظ کی گرانی کو برداشت کر سکتے، تو میں اعتراف احسان کی کوشش کرتا لیکن میں اس رمز سے آگاہ ہوں اور نوابزادہ محتشم الیہ کی بارگاہ میں حضرت اپنے سکوت کو پہنچانا چاہتا ہوں، وہ سکوت جو یقیناً ہنگامۂ تکلم سے زیادہ بلیغ ہے۔

بہرحال میرے لیے یہ فخر بس ہے کہ مجھے انھیں بابرکت ہستیوں کے سایۂ دامن دولت و علم میں زندگی بسر کرنے کی فرصت خدا نے مرحمت فرمائی ہے، اور انھیں کی شاہانہ فیاضیوں کے ساتھ ساتھ میں تصنیف و تالیف کیلئے آزاد چھوڑ دیا گیا ہوں۔ خوشا رعایتِ شوق

چونکہ یہ سلسلۂ تصنیف نوع انسان کے طبقۂ لطیف سے متعلق ہے، اس لیے میں اس کو نہایت ادب کے ساتھ **نواب بلقیس جہاں بیگم** طاب ثراہا، علیا حضرت ادام اللہ اقبالہا کی ان شاہزادی صاحبہ کی یادگار میں قائم کرتا ہوں، جو ہرچند اس عالم آب و گل میں نہیں لیکن ان کی فراست و ذہانت ان کی ذکاوت و فطانت کی وجہ عالم طفولیت

ہی سے آپ میں نمایاں تھیں، یادِ ہنوز باقی وتازہ ہے۔

"نیاز"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

انسان فطرتًہ جستجو پسند واقع ہوا ہے اور اُس کی فرصت کا دلچسپ ترین شغلہ یہ ہے کہ وہ ہر اُس چیز کی نسبت معلومات حاصل کرے جو اُس کے علم سے باہر ہے اور کائنات کے ہر اُس راز کو دریافت کرے جو اُس سے دقتِ نظر کا طلبگار ہے اور غالبًا فطرت کی یہی وہ خصوصیت ہے جس نے اُس کو کائنات میں اشرف و اعظم کا درجہ عطا کیا اور اس سے ترقی کے مدارج جلد جلد طے کرا دیے۔

یوں تو دنیا میں بے شمار کیفیات و محسوسات ہیں جن کا علم ہم کو حاصل نہیں اور ان کے متعلق معلومات بہم پہونچانا ہمارے لئے مفید ہے لیکن سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز جس کی نسبت ہم کو سب سے پہلے تحقیق کرنی چاہئے خود ہماری ذات ہے اور اُس وقت تک کہ خود ہمیں اپنا علم حاصل نہ ہو جائے، غالبًا ہم کو کوئی حق حاصل نہیں کہ دیگر موجوداتِ عالم پر غور کریں، جن کو ہم سے وہی نسبت ہے جو درویش کو خویش سے

مغرب میں جہاں تحقیق و تفتیش نے اب ناقابلِ علاج مرض کی سی صورت اختیار کرلی ہے، دیگر علوم و فنون کے ساتھ خود علم الانسان کے متعلق بھی بہت مبسوط و ضخیم تصانیف موجود ہیں، اور حقیقت سے انکار ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہے۔

ایشیا، اور ہندوستان کی زبانیں، اور اُن میں بھی خصوصیت کے ساتھ اُردو زبان اِس لحاظ سے بہت کم مایہ ہے، اور اک قوم کے لیے اس سے زیادہ بدنصیبی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُس کی زبان علوم و فنون کی کتابوں سے خالی ہو۔

یہ مسلّمہ مسئلہ جمہور ہے کہ اِس دورِ علم و حکمت میں کسی ملک، کسی قوم کو حصولِ ترقی کا حق حاصل نہیں، جب تک وہ اپنے تئیں جامع علوم و فنون ثابت نہ کرے اور یہ محال ہے، جب تک خود اس کی زبان میں تعلیم حکمت و فنون کا کافی ذخیرہ موجود نہ ہو

آزاد ... مطبوعہ

شکر ہے کہ اب ملک نے اپنی زبان کے اس نقصانِ عظیم کو محسوس کرنا شروع کیا ہے اور کبھی کبھی کوئی مضمحل آواز کانوں میں ایسی پڑ جاتی ہے جس سے، ہر چند آیندہ کے لیے کوئی قوی اُمید تو قائم نہیں کی جاسکتی لیکن مایوسی کی رفتار ضرور کچھ رُک سی گئی ہے۔ اک زمانہ کی گہری نیند کے بعد اتنی بیداری بھی غنیمت ہے کہ اثرِ حیات کے اظہار سے طولِ حیات کی توقع قائم کی جاسکتی ہے۔

علمائے مغرب نے "علم الانسان" (Anthropology) کی دو بڑی تقسیمیں کی ہیں، ایک تقسیم بہ لحاظ ساخت جسم ہے اور دوسری باعتبار تقسیم اقوام و ممالک۔ پہلی تقسیم میں "علم حیوۃ الحیوان" فزیالوجی (Physiology) علم تشریح الابدان اناٹمی (Anatomy) "علم قیافہ" فزیاگنمی (Physiognomy) وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری قسم کو "علم الاقوام" اتھنالوجی (Ethnology) کہتے ہیں

اس کی بھی بہت سی تقسیمیں ہیں، لیکن دو خاص ہیں۔ ایک وہ جو مردوں سے متعلق ہو، دوسری وہ جو جنس نازک سے بحث کرتی ہو، اور یہ کتاب "علم الاقوام" کی اسی دوسری تقسیم سے متعلق ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ یہ تصنیف اس شعبۂ علم پر پوری طرح حاوی ہے، تو یقیناً غلط ہوگا، کیونکہ اول تو تحقیق و تفتیش کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ بڑی سی بڑی کتاب اُسے طے نہیں کر سکتی، اور دوسرے استقرا (Induction) کا دروازہ یوں بھی اُس وقت تک بند نہیں ہو سکتا، جب تک زمین پر ایک بھی مستقیم القامت متحرک بالارادہ حیوان ناطق سانس لے رہا ہے۔

چونکہ اُردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب اس وقت تک نہیں لکھی گئی، اسلئے اس کے متعلق جو کچھ اپنی زبان میں نظر آئے اُسے اس خیال سے نہ پڑھنا چاہیئے کہ وہ ایک جامع و قاطع تصنیف ہے، بلکہ صرف اس خیال سے مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ آئندہ تحقیق و تفتیش کے لئے دلیل راہ ہے۔ بہر حال یہ تصنیف صرف ایک مقدمہ ہے جو محض اس اُمید پر پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کی جانب ان دماغوں میں بھی تحریک پیدا ہو، جن کو اس سے قبل اسطرف توجہ کرنی چاہیئے تھی۔

(۲)

کرۂ ارض پر جو نوع انسان آباد ہے اُس کا صحیح شمار ہم کو معلوم نہیں لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ اُس میں نصف سے زائد حصہ عورتوں کا ہے جو ہمیں قدم قدم پر، جہاں بھی دیکھیں ہر جگہ نظر آتی ہیں، اس لیے معلوم کرنا ہمارا فرض ہے کہ خدا کی یہ بڑی مخلوق، جسے ہم

جنس نازک کہتے ہیں، اس ہنگامۂ عالم، اس کارزارِ دنیا میں کسقدر حصّہ لے رہی ہو اور نیز یہ کہ موجودہ آبادی کی ماؤں اور اُن کی ماؤں نے ازمنۂ قدیمہ میں ارتقاءِ عالم کی ذمہ داریاں کس حد تک اپنے سر لیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہو جس پر غور و تامل کرنا یقیناً نوعِ انسان کے لئے نہ صرف ضروری بلکہ مفید بھی ہو۔

اس تصنیف کا موضوع یہی تلاش و جستجو ہو۔

یوں تو اک اجمالی نظر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ عورتوں کے کارنامے بےشمار اور اُن کی دلسوزی و ہمدردی کی داستانیں کثیر ہیں۔ لیکن جزئیات سے بحث کرنا اور اُن کی زندگی کے تمام اُن پہلوؤں پر نظرِ نقد ڈالنا جو کائنات کی آرایش و زیبایش، دنیا کی رونق و تزئین کا باعث ہوئے ہیں، نہ صرف اس لحاظ سے ضروری ہو کہ اُن میں ہمارے لئے اک دفترِ اعتبار و بصیرت پنہاں ہو، بلکہ اس حیثیت سے بھی جستجو کا طلبگار ہو کہ جو حقوق دنیا اور دنیا کی آبادی پر عورتوں کے ہیں اُن کو یاد رکھا جائے تاکہ ہم اُن کی اہمیت کو سمجھ سکیں کہ اعترافِ احسان کی یہ بھی ایک پسندیدہ صورت ہو۔

تاریخِ انسان کو ماہرینِ فن نے دو زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا زمانہ وہ جب انسان وحشی تھا، درندہ تھا، اور ہر وقت نہ صرف اپنی نوع کے افراد سے بلکہ فطرت کے خلاف بھی جنگ کرنے کا عادی تھا، اس کو ہم عہدِ شجاعت (Period of militancy) سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا، جب انسان نے اک جگہ اطمینان سے قیام کیا اور رفتہ رفتہ صنعت و حرفت، حکومت اور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کو ہم عہدِ صنعت و تعقل، زمانۂ صلح و آشتی

(Period of Industrialism) سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ عہد اول سے مراد صرف جنس کرخت کے کارنامے ہیں، اور عہد ثانی سے جنس لطیف کے برکات۔ کیونکہ آج بھی جب کہ حرب وجنگ کے لئے بیشمار مہلک آلات عجیب وغریب آتشبار ذرائع موجود ہیں، عورت اُن کی تیاری وفراہمی میں بہت کم حصہ لیتی ہے اور سوائے اس کے کہ وہ کہیں کسی کارخانہ میں کارتوس بنانے کی مشین چلا رہی ہے۔ یا کسی جگہ صلیب احمر کے ماتحت زخمیوں کی تیمارداری میں مصروف ہے، اُس کا نفس جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ازمنۂ قدیمہ کے عہد تاریک میں، مرد جنگلوں اور پہاڑوں میں، وحشی درندوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھا اور اُس کو صحرائی مخلوق کے خلاف اپنی قوتیں استعمال کرنی پڑتی تھیں، اس لئے اگر مردوں نے درندوں کے ساتھ زیادہ متعلق رہنے کی وجہ سے اُنھیں کے حرکات سیکھے تو حیرت نہ کرنی چاہیئے، اور چونکہ عورت ایک غار کے اندر خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ اس لئے اگر عورت نے اپنے گھر کی تعمیر چڑیوں کے آشیانوں سے ذخیرۂ خوراک جمع کرنے کا درس چیونٹیوں سے حاصل کیا تو جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ فطرت اگر ایک طرف انسان کو تصادم و تضاربے سے مجروح کر رہی تھی، تو دوسری طرف وہ اسباب سکون و التیام مہیا کرنے میں مصروف تھی، جو بقائے حیات کے لئے ازبس ضروری ہیں۔

جس وقت زمین پر سب سے پہلی عورت عالم ظہور میں آئی ہو گی، تو اسکی حالت کیسی دردناک ہو گی اسکا صحیح اندازہ ہم اس وقت نہیں کر سکتے، مگر ہاں چیز ظاہر ہے کہ نہ اُس کے جسم پر ایسے گھنے بال تھے کہ وہ موسم کی صد تبدیلی کو برداشت کر سکتی، نہ اس کے دانت اسقدر مضبوط تھے کہ وہ آسانی سے کسی چیز کو غذا بنا سکتی

اُس کے بازو دیگر حیوانات کے مقابلے میں کمزور تھے اور اُس کی درماندگی شدید
نہ وہ اک طائر کی طرح پر رکھتی تھی کہ جہاں چاہتی اڑ کر پہنچ جاتی، نہ اُس کے پاس
بلی کی سی آنکھ تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنی بینائی سے کام لے سکتی، نہ اُس کے
قبضہ میں اوزار تھے کہ وہ ضرورت کی چیزیں بنا سکتی، اور نہ اُسے کوئی تجربہ حاصل
تھا کہ وہ زندگی کی دشواریوں کو آسان کر دیتی۔ نہ اُس کے پاس الفاظ تھے کہ وہ
اظہار جذبات کر سکتی، نہ اُسے یہ خبر تھی کہ دنیا میں اسباب ارتقاء کا مفہوم کیا ہے
درخت پھلتے تھے، پھولتے تھے، لیکن اُسکا ضعیف ہاتھ فطرت کی اس حسین پیداوار
تک نہ پہنچ سکتا تھا، اونچے پہاڑوں پر دودھ دینے والے جانور اُسے نظر آتے
تھے لیکن اُس کے لب اپنی تشنگی رفع نہ کر سکتے تھے بڑے بڑے بال رکھنے
والے حیوانات اُس کے سامنے سے گزر کر جاتے تھے لیکن وہ اپنا جسم محفوظ رکھنے
کے لیے اُن کا لباس اُن سے مستعار نہ لے سکتی تھی۔ کائنات اس کے لئے ایک
معمہ تھی ساری دُنیا اُس کے لیے ایک راز تھی اور فطرت اس کو اس حال میں مبہوت و متحیر
دیکھ کر مسکرا رہی تھی، مسکرا رہی تھی اس رمز پر کہ باایں ہمہ بے مائیگی و بے چارگی
ایک دن دُنیا کی رونق کو اُس سے وابستہ ہونا ہے۔ اور اس کی یہی بے سروسامانی
ایک وقت عالم اسباب کو زندہ کر کے دکھا دینے والی ہے۔ یوں بظاہر اُس کے
قوائے ضعیف تھے۔ لیکن اسی ضعف میں حرکت و جنبش کی ایک زبردست
قوت ودیعت رکھ دی گئی تھی وہ بادی النظر میں بالکل بے یار و مددگار معلوم
ہوتی تھی، لیکن دماغ کی صورت میں اُس کو ایک ایسا رفیق دے دیا گیا تھا جو
اس کی تمام کمزوریوں کا کافی عوض ہو سکتا تھا۔ ساری کائنات اس کی دُکان

تھی۔ اور ذہانت و فراست اُس کا تنہا اوزار۔ زمین کے اندر معدنیات، زمین کے اوپر جمادات، نباتات، فضائے ہوا میں اُڑنے والے طیور، الغرض جو کچھ خلائے عالم کو پُر کیے ہوئے تھا، اُس کے لیے یہی تنہا اوزار سے چھو کر اُس کے منشاء و ضرورت کے موافق صورت اختیار کر لینے کے لیے آمادہ و منتظر تھا۔ پھر تاریخ کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ نتیجہ کیا ہوا اور موجوداتِ عالم سے اُس نے کیا کیا خدمتیں انجام نہیں دیں۔

عورت نے جس طرح رفتہ رفتہ زراعت و صنعت، تہذیب و مدنیت کی بنیاد ڈالی، اس کا مطالعہ ایک نہایت دلچسپ مشغلہ ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا نے مرد کے پہلو سے عورت کو (جو مذاقِ فطرت کا نازک پہلو کہا جا سکتا ہے) وابستہ نہ کر دیا ہوتا تو شاید مرد اس وقت صحراؤں اور کوہستانوں میں درندوں کے ساتھ رہ رہ کر صرف ایک زبردست درندے کی صورت میں پایا جاتا اور ساری کائنات سوگوار و مضمحل ہوتی۔

آج بھی جب کہ تہذیب و ترقی اپنی انتہائے عروج کے مدارج طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور مرد نے اپنی اختراعات سے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے دنیا عورت کی ذات سے مستغنی نہیں اور زمانۂ قدیم کے بہت سے اُن مشاغل کی یاد جو صرف عورت کا حصہ تھے اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک سوت کاتنے والی مشین اس وقت ہزاروں من روئی کے ڈھیر کو تھوڑی سی دیر میں باریک تاگے کی صورت میں دے دیتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ کپڑا نکالنے اور رنگنے کی مشین سینکڑوں اور ہزاروں جانوروں کی کھالوں کو ایک ساعت میں کام کی چیز بنا دیتی ہے۔ یہ

یہ بھی معلوم ہے کہ جنگل میں جس وقت انجن ہل کو لے جاتا ہے، تو ایکڑوں زمین دم کے دم میں قابل زراعت ہو جاتی ہے۔ لیکن آج مرد جس روئی کو مشین سے سوت بناتا ہے جس چمڑے کو وہ انجن کے زور سے نرم و رنگین کر دیتا ہے، جس زمین کو وہ آگ اور دھوئیں کی مدد سے کھودتا ہے، عورت اس سے بہت پہلے صرف اپنے ضعیف ہاتھوں سے کیا کرتی تھی اور اب بھی وہ تمام مہذب ممالک میں ان مشینوں کے چلانے میں مرد کی معاون ہے اور سوائے اس کے کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ اگر پہلے وہ اپنے جھونپڑے کے اندر تنہا ان مشاغل میں مصروف تھی تو اب وہ آتش و دخان کے سامنے ایک جماعت کے ساتھ کسی کارخانے کی عمارت میں کام کرتی ہوئی ہے۔ یہ معلوم کر کے غالباً دنیا متحیر ہوگی کہ اس وقت بھی تقریباً ایک سو چھتیس[۱۳۶] پیشے ایسے ہیں جو صرف عورت کی مدد سے چل رہے ہیں اور جن کے لئے یہ غریب اپنے ضعیف اعضا کو صبح سے شام تک متحرک رکھتی ہے۔

عورت، عورت ہونے کے لحاظ سے ساری دنیا میں ایک ہے۔ اگر مغرب کی عورت اپنے رنگین و قیمتی ملبوس میں گھر کی رونق اور مرد کے لیے آرام و سکون ہے، تو وحشی جزائر میں اس برہنگی اور بے سر و سامانی کے عالم میں جھونپڑے کی بہار اور جھونپڑے والوں کے لئے تسلی و تسکین ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں وہ قالین اور کرسی پر جلوہ گر ہے اور یہاں فرش خاک پر آسودہ۔ وہاں اپنے بچوں کو نفیس و مکلف گہواروں میں جھلاتی ہے اور یہاں اپنی آغوش میں۔ وہاں اپنے گھر کے اندر اسے بہت سی پر تکلف چیزوں کو درست رکھنا پڑتا ہے اور یہاں ایک چٹائی اور چند مٹی کے برتنوں کو۔ پھر تنقید اس پر ذکر کہ قالین اور بوریے میں کیا فرق ہے، شال و پلاس میں کیا نسبت ہے۔ بلکہ صرف

یہ دیکھو کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہاتھ کس کا ہے جو اس نظام کو قائم کیے ہوئے
ہے اور کس کا دردمند دل ہے جو مرد کی تکلیف و مصیبت پر ہر وقت دھڑکنے کے لئے
آمادہ نظر آتا ہے۔ اگر قالین بورئیے کی ارتقائی صورت نہیں ہے، اگر میز و کرسی تراشی
ہوئی اونچی نیچی چٹانوں کی تقلید نہیں ہے، اگر موجودہ گہوارے اِن ٹوکریوں کی ترقی یافتہ
صورتیں نہیں ہیں جن میں اب بھی ایشیا اور افریقہ کے بہت سے بچے پڑے سوتے ہیں، اگر
موجودہ سوت کاتنے والی مشینیں اُن چرخوں کی مہذب شکلیں نہیں ہیں جو اب بھی مشرق
میں متحرک نظر آتے ہیں، اگر موجودہ زراعت کا نظام اُس سنگین اوزار کا تتبع نہیں ہے
جسے زمانۂ قدیم کی عورت زمین کھودنے کے کام میں لاتی تھی، تو بیشک تم کہہ سکتے ہو
کہ موجودہ ترقی و تہذیب عورت کی منت کش نہیں اور تم اسے تحقیق "علم الانسان" کا
موضوع قرار دینے سے احتراز کر سکتے ہو۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو مرد، اس مہذب
و شائستہ مرد کے ناشکر گزاری کی مثال اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ عورت
کے حقوق کو، اُس عورت کے حقوق کو جو ساری دنیا کی ماں، تمام تہذیب ارتقا کی خداوند
جملہ ترقی و شائستگی کی اصل اُصول ہے، فراموش کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ مرد و عورت کے جسمانی ساخت میں فرق ہے اور ہر اُس کام کے لئے
جو مرد کر سکتا ہے عورت موزوں نہیں یہ ایک حد تک درست ہے اور مرد کے قَوَّامُ
عَلَى النِّسَاءِ ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کو عورت کے تمام جائز حقوق کے
پامال کر دینے کا ذریعہ نہ بنانا چاہیے، کیونکہ جس طرح عورت مردوں کے تمام کام انجام
نہیں دے سکتی اسی طرح ایک مرد بھی عورتوں کے سارے کام پورے نہیں کر سکتا۔
دراں حالیکہ عورت نے ہمیشہ مرد کا ہاتھ اُن کاموں میں بھی بٹایا جو صرف مرد کے

کرنے کے ہیں۔

زمانہ حجری میں جس وقت مرد غذا فراہم کرنے کے لئے جنگل میں نکل جاتا تھا تو عورت بھی بسا اوقات اُس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ مرد کا کام صرف یہ تھا کہ وہ جانور کو نیزے سے ہلاک کر کے ڈال دے، لیکن اُس مردہ جانور کو گھسیٹ کر غار کے اندر لے جانا۔ وہاں اس کی کھال صاف کرنا، گوشت کے ٹکڑے کرنا، آگ پر اس کو بھوننا مرد کے سامنے لاکر رکھنا، چربی کو علیحدہ کر کے محفوظ کرنا، کھال کو خشک کر کے ملبوس بنانا یہ سب عورت ہی کا کام تھا، جس میں مرد بہت کم حصّہ لیتا تھا۔

امریکہ کی "اماہا" قوم میں مردوں کے بہت سے کاموں کی نظم و ترتیب صرف عورت کے مشاغل سے متعلق تھی۔ جب عورت غلّہ بو چکتی تھی تو مرد سمجھتا تھا کہ اَب موسم گرما کے شکار کا وقت آگیا ہو اور وہ باہر نکل جاتا تھا، اور جب کھیتیاں پک جاتی تھیں تو وہ واپس آتا تھا۔ گویا عورت مرد کے لیے ایک تقویم (جنتری) کا حکم رکھتی تھی، جب جنگل میں بھیڑوں اور بکریوں کے جسم پر اُون زیادہ بڑھ جاتا تھا تو مرد اُن کا شکار کرنے نکل جاتا۔ اور جب کھالیں لے کر گھر واپس آتے تو عورتیں اسکا ملبوس تیار کرتیں اور گوشت کا جو حصّہ وہ محفوظ رکھنا چاہتیں کٹّل کے ایک کونے میں رکھ کر چمڑے کے تسمے سے باندھ دیتیں اور غار یا گڑھے میں دفن کر دیتیں۔ جب مردوں کی روانگی کا وقت آتا تو وہ اُن کے گھوڑوں پر ضروری سامان جو پہلے سے اِسی لیے محفوظ رہتا لاد دیتیں اور خود اپنی پیٹھ پر بھی بہت سی چیزیں رکھ کر مردوں کے ساتھ ہولیتیں۔

عہد تاریک میں بھی مابین زن و مرد تقسیم عمل کے کچھ اُصول قائم تھے۔ لیکن

ایک دوسرے کی اعانت کا دستور بھی اُن میں قائم تھا، اگر مرد شکار کرتا تھا، تو عورت شکار کے سنبھالنے میں مدد کرتی تھی۔ اگر عورت گھر میں کھانا پکانے، ٹوکریاں بُننے، کھالیں سینے میں مصروف رہتی تھی تو مرد بھی کچھ نہ کچھ اس کا ساتھ دیتا تھا۔ لیکن بحیثیت مجموعی عورت کی ساری زندگی یکسر انہماک و مصروفیت تھی اور وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی بیکار و معطل نہ بیٹھ سکتی تھی۔

یہ امر کہ زمانۂ قدیم میں عورت کا وجود ایک مہتم بالشان وجود تھا اور وہ کائنات میں مرد کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل تھی مختلف ذرایع سے ثابت ہوتا ہے سب سے پہلے جو چیز اس کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے وہ اقوام عالم کا علم الاصنام ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے علم الاصنام میں دو چار دیویوں کا نام نہ پایا جاتا ہو اور یونان وروما کے علم الاصنام میں تو عنصر غالب دیویوں ہی کا ہے۔ دولت شہرت حُسن شعر، موسیقی، نسیم، روح، زراعت وغیرہ سب دیویوں ہی سے منسوب ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض عورت کی وجہ سے قائم ہوئیں، یہاں تک کہ اُن کو دیوی قرار دے دیا۔

ہندوؤں کے علم الاصنام میں لکشمی دیوی سے کون واقف نہیں ہے اور اگر اُس کی یہ تاویل کی جائے کہ عورت کو زمانۂ قدیم میں ایک بے بہا دولت، یا دولت کو عورت کی محنت کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا تو خلاف محل نہ ہوگا۔

دوسرا ثبوت السنۂ قدیمہ ہیں کہ عورت کیلئے ان میں ایک ایک الگ ضمیر قایم کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ قدیم آریہ زبان میں بھی ایک جُدا لفظ ضمیر کا عورت کیلئے مخصوص ہے۔

تیسرا ثبوت آثار قدیمہ ہیں۔ زمین کے اندر بہت سے ٹھیکرے ایسے برآمد ہوئے ہیں جن میں عورتوں کی تصویریں منقوش ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنے ہاتھ میں زمانہ قدیم کا زمین کھودنے کا آلہ لئے ہوئے ہیں۔ مجسمے، ہڈیاں، برتن، چاقو، زیور اور دیگر آلات زمین سے برآمد ہوئے اور ان کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں قبل ان میں کس چیز کا تعلق کس سے تھا۔ اور اس طرح بہت سے آلات کا عورت سے متعلق ہونا ثابت ہے جو زمانہ قدیم میں عورت کی محنت و ذہانت کی بیّن دلیل ہے۔

چوتھا ثبوت قدیم مذہبی لٹریچر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ضروریات زندگی فراہم کرنے میں مرد سے کس قدر سبقت لے گئی تھی۔ انجیل، توراۃ، تاریخ ہیروڈوٹس، منظومات ہومر وغیرہ سے اس کا پتہ چلتا ہے، جس کا اقتباس نفس کتاب میں آپ کہیں کہیں پائینگے۔

پانچواں ثبوت وہ افسانے ہیں جو گانوں کے لوگوں میں زمانہ قدیم سے رائج چلے آتے ہیں۔ یہ افسانے تمام تر عورتوں ہی سے سنے جاتے ہیں، مردوں کو ان کا وقوف نہیں ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوریاں، ضرب الامثال، پہیلیاں، جن اور شیطان کے قصے، دعا تعویذ کی کہانیاں، سب عورت ہی کو یاد رہتی ہیں اور وہی اپنے بچوں کو سنایا کرتی ہے۔ علاوہ اس کے خاندان کے حالات، اسلاف کے نام، گزشتہ زمانہ کے واقعات، مراسم قدیم جس قدر عورت کو یاد ہیں مرد کو نہیں، اپنے خاندان، اپنے بچوں کے متعلق ماضی کے حالات بقید روز و تاریخ عورت کے دماغ میں اس قدر صحت کے ساتھ محفوظ رہتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرتاً کائنات کے ساتھ دلچسپی رکھتی ہے اور تاریخ

محفوظ رکھنے کے لیۓ اُسکا دماغ نہایت موزوں واقع ہوا ہے۔

آیندہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائیگا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں عورت نے کیا کیا خدمتیں انجام دیں، اور دنیا کی تہذیب و ترقی کس حد تک اس ضعیف جنس کی ممنون ہے، لیکن یہ مقصد ناقص و ناتمام رہیگا اگر میں عورت کی اُس تنہا خصوصیت کو نظر انداز کر جاؤں، جس نے اس کے وجود کو نظام عالم کے لئے ضروری ثابت کر دیا ہے۔

جس وقت انسان اوّل اوّل عالم شہود میں آیا، وہ باعتبار اسباب کے نہایت درماندہ و عاجز تھا، اس لئے اوّلین فکر جو اُسے لاحق ہوئی مادہ سے متعلق تھی کہ وہ کیونکر زندگی بسر کرے اور کس طرح دنیا کی متصادم قوتوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھ سکے۔ ظاہر ہے کہ اس احساس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک تھے جس طرح مصیبت آفرینش مرد پر نازل ہوئی تھی، اسی طرح عورت بھی اس سے متاثر تھی، اس لیے اگر دونوں نے مل کر اپنی ضروریات کو مہیا کیا تو یہ ایک فطری تقاضا تھا اور مرد و عورت دونوں اپنی اپنی جگہ ان کے فراہم کرنے پر مجبور تھے پھر اگر زمانہ موجودہ میں ترقی و تہذیب کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مجموعہ ہے صرف مادّی اشیاء کا اور نیز یہی مادّہ کے ذرائع مختلفہ کا۔ اس لئے مرد کی جس قوت نے ترقی حاصل کی وہ دراصل وہی جو ابتدائے آفرینش کے وقت اس میں ذرا مضمحل انداز سے پائی جاتی تھی، لیکن عورت اپنی فطرت و پیدائش کا ایک اور پہلو بھی رکھتی تھی، جس کا ظہور ابتدائے آفرینش ہی کے وقت ہو گیا تھا اور آج تک اس میں کسی ترقی و اضافہ کی گنجائش نہیں نکل سکی۔ عورت فطرتاً رقیق القلب، منکسر المزاج، رحم دل بنائی

گئی ہے۔ جس سے فطرت کی مصلحت غالباً یہی تھی کہ وہ ہنگامۂ دنیا و کارزارِ عالم میں خلقتِ مرد کی اس کمی کو پورا کرے جو عالمِ روحانیت کو صدمہ پہونچانے والی تھی! اگر دنیا میں صرف مرد کا وجود ہوتا اور عورت اس کی انیس و ہمدم نہ ہوتی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس عالم میں سوائے حرب و قتال اور ہلاکت و خونریزی کے اور کیا نظر آتا۔ مرد کچھ نہ ہوتا مگر ایک قوی اور شدید جذبۂ انتقام، اور اس کے کارنامے کچھ نہ ہوتے مگر افسانہائے خون آلود۔

جس وقت ایک عورت اپنے بچہ کو آغوش میں لے لیتی ہے تو وہ اس عورت سے جدا ایک چیز ہوتی ہے جو گھر کے کاروبار میں مصروف تھی، جس وقت ایک عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مصروف ہوتی ہے تو وہ نہیں ہوتی جو سینے پرونے کے وقت تھی، اگر وہ عالمِ اسباب اور دنیائے مادہ میں مرد کی رفیق و معاون ہے تو دوسری طرف عالمِ روحانیت کی ایسی شدید پرستار ہے کہ ہر مرد کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔

مرد اپنی قوت کے زعم میں عورت کی ضرورت تسلیم نہ کرے لیکن فطرت کو اس کی ضرورت ہے اور جس طرح دن بھر محنت کرنے کے بعد سکون و آرام کے لئے رات کی احتیاج ہے اسی طرح جب فطرت کارزارِ مادہ کے تماشے سے تھک جاتی ہے۔ تو وہ عورت کے رقیق جذبات سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے، کیونکہ اگر مرد کاروبار کے لحاظ سے ایک دن ہے جہاں فطرت مشغول رہتی ہے، تو عورت سکون و تسلی کے اعتبار سے ایک رات، جہاں فطرت آرام کرنے کی آرزومند ہوتی ہے۔ اس لئے تمدن کے لحاظ سے (جس میں مادہ و روح دونوں شامل ہیں) عورت سے زیادہ واجب احترام

چیز کوئی اور نہیں۔

لیکن دنیا کا کیسا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا عورت کا احترام اُٹھتا گیا، یہاں تک کہ جب سے دنیا میں تاریخ کی ابتدا ہوئی ہے کسی ایسی قوم کا پتہ نہیں چلتا جس نے ترقی کے ساتھ عورت کے حقوق کا احترام کیا ہو۔ کوئی ظلم نہیں جو اُن کے لیے روا نہ رکھا گیا ہو، کوئی بے رحمی نہیں جو اُن پر صرف نہ کی گئی ہو۔ دنیا میں کوئی قوم اور کوئی مذہب اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے عورت کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی وہ مستحق ہے۔ مگر ہاں ایک اسلام کہ اُس نے اہم ترین امور اصلاحی میں اس مسئلہ کو جگہ دی اور عورت کو قعرِ ذلت سے نکال کر مرد کے ساتھ سطحِ عالم پر برابر لا کر کھڑا کر دیا۔

عورتوں کی کہانی کیسی دردانگیز اور خوں آلود کہانی ہے کہ اُس کو سنکر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ عورت کا وجود دنیا میں قایم کیونکر رہا۔ سوائے مسلمانوں کے کسی ترقی کرنے والی قوم نے عورت کے حال پر اپنا دل نہیں دکھایا۔ اور سبھوں نے اس کو پامال کر کے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کی کوشش کی۔

رومۃ الکبرےٰ کے افسانہائے ترقی کس کو نہیں معلوم، لیکن کیا آج اُن عورتوں کا شمار کیا جا سکتا ہے جو راہبوں کے ادنیٰ اشارے پر گلیوں میں مکانوں کے اندر شاہراہوں پر ذبح کر ڈالی گئیں۔ عورت ایک لونڈی تھی اور لونڈی سے بھی بدتر ایک جانور، جس کو مارنا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچانا معمولاتِ زندگی میں داخل تھا، پھر مغرب ہی میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا۔؟

ناصیۂ انسانیت کے لئے ایک ایسا بدنما داغ ہے جو کسی طرح نہیں مٹ سکتا۔ شیر خوارگی کے عالم میں اُن کو زندہ دفن کیا گیا، ایام حمل میں اُن کے پیٹ چاک کئے گئے۔ خانقاہوں اور گرجوں کے تہ خانے، مندروں کی کوٹھریاں اُن کی لاشوں سے مدتوں سڑا کیں۔

اگرچہ اختلافِ مرز و بوم کے لحاظ سے تمام قوموں کے خیالات و محسوسات اُصول معاشرت و تمدن ایک دوسرے سے مختلف تھے، لیکن یہ کیسا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ عورت کے مسئلہ میں سب یک رائے تھے اور جس طرح مغرب میں اس کو نشانۂ ظلم بنایا گیا، اسی طرح مشرق میں وہ غریب ہدفِ جور رہی۔ الغرض کسی نے اُس کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا اور اُس کو فنا کر دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔

۱۴۸۴ء میں پاپائے روم کے حکم سے ہزاروں عورتیں صرف اس شبہ پر گرفتار کر کے سولی چڑھا دی گئیں کہ انھیں سحر آتا ہے۔ سترھویں صدی کے وسط میں ساحرہ ہونے کے اشتباہ پر عورتیں گرفتار کر لی جاتی تھیں اور وہ قصداً جھوٹ اقرار کر لیتی تھیں کیونکہ بصورتِ دیگر اُن کے ناخنوں میں کیلیں ٹھوکی جاتیں، اُن کے بدن کو گرم لوہے سے جلایا جاتا۔

انگلستان کی لانگ پارلیمنٹ کے زمانہ میں عورتوں پر یہ الزام رکھ کر کہ وہ اپنی جرابیں اُتار کر اور صابن میں گھول کر طوفان برپا کر رہی ہیں، اُن کو گرفتار کیا گیا اور پہلے اُن کے معصوم بچوں کو اور پھر انھیں سولی پر چڑھا یا گیا اور اسی سال اگر خاص قانون عورتوں کو پکڑ پکڑ کر جلانے اور مار ڈالنے کا نافذ کیا گیا۔ علاوہ حرام

آزار سے اُن کی اخلاقی حالت اس درجہ مجروح و مضمحل کر دی گئی تھی کہ اس کا ذکر کرنا بھی سخت شرمناک بات ہے۔

جب نبی آخر الزمان صلعم (روحی فداہ) کا ظہور ہوا تو اُس وقت عرب کی دو ہمسایہ سلطنتیں بھی موجود تھیں، ایک ایران جو زردشتی مذہب کا مرکز تھا دوسرے قسطنطنیہ مشرقی عیسویت کا دارالامارہ۔ ایران میں عورتوں کے لئے کوئی قانون موجود نہ تھا، بلکہ رسم و رواج کے ماتحت اُن کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا شوہر پر اُن کا کوئی حق نہ تھا گھر کے تمام ذلیل کام اُن سے لئے جاتے تھے جس کا عوض صرف یہ تھا کہ اُن کو معمولی کھانا اور کپڑا دے دیا جائے۔ قسطنطنیہ کا حال اور بھی ابتر تھا۔ وہاں اخلاقی نقطۂ نظر سے اس کی حالت بہت زبوں تھی اور جہانبین سلطنت کا دستِ حرص و آز اُن پر نہایت آسانی کے ساتھ دراز تھا، خود سرزمین عرب میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سوتیلی ماں کو بیوی بنا لینے کا دستور عام طور سے نصاریٰ میں پایا جاتا تھا اور لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔

الغرض یہ تھا اُس زمانہ کا حال جب نبی آخر الزماں کو خدمت ارشاد و ہدایت تفویض فرمائی گئی۔ پھر جس نے قرآنی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے، جس نے ارشادات نبوی کو سمجھا ہے وہ معلوم کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام نے عورتوں کی معاشرت کو کسقدر بلند کر دیا، اور مرد و عورت دونوں کے لئے کیسا موزوں درجۂ مساوات قرار دیا اگر ایک طرف مرد کو طلاق کا حق دیا گیا، تو دوسری طرف عورت کو بھی حق خلع عنایت فرمایا گیا، زانی و زانیہ دونوں کی برابر سزا رکھی گئی، عورت اپنے مال کی

مالک قرار دی گئی، اپنے خاوند سے مہر وصول کرنے کے پورے اختیارات اُس کو دئے گئے اور باپ کے ترکہ میں وہ محروم الارث نہ رکھی گئی۔ الغرض عورت کو پوری آزادی دی گئی، یہاں تک کہ اگر وہ نصرانیہ ہو تو بھی اُسکا شوہر کلیسا جانے سے اُس کو نہیں روک سکتا۔ اولاد کو جہاں حکم دیا گیا کہ تم کسی پر احسان کرو تو وہاں لفظ والدین کا ارشاد فرمایا گیا۔ یہ تھی وہ تعلیم جس نے مابین زن و مرد ایک سچی مساوات قائم کر کے عورت کے حقیقی احترام کا مفہوم دنیا کو بتایا۔

موضوع تصنیف کے لحاظ سے اس مسئلہ پر اس قدر گفتگو غالباً غیر ضروری نہ تھی۔ اب ہم اس کے بعد اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان واقعات کا استقصا شروع کرتے ہیں، جن سے یہ امر محقق طور سے ثابت ہو سکے گا کہ عورت نے ازمنۂ قدیمہ میں تہذیب و ارتقائے عالم کا کس قدر ساتھ دیا اور دنیا کی شائستگی و مدنیت عورت کی کس درجہ ممنون ہوا۔

"بنیاد"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پہلی فصل)

فراہمی غذا و اسباب غذا کے لئے عورت کی کاوشیں

اوّلین احتیاج جس سے ایک جاندار متاثر ہوتا ہے، احتیاج غذا ہے، اسلئے غالباً یہ امر ثابت کرنے کے لئے کہ انسان نے بھی سب سے پہلے فراہمی غذا کی طرف توجہ کی، کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

موجودہ زمانہ میں، کھانا تیار کرنا، غذاؤں کے مختلف نام رکھنا، اور پھر ان سب کے تنوع کے لحاظ سے اہتمام و انصرام میں کیسی نوع پیدا کرنا یقیناً کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن زمانۂ قدیم میں، باوجود اس کے کہ نہ غذا میں کوئی تنوع تھا اور نہ اسباب فراہمی کا استعمال پیچیدہ، یہ کام اور زیادہ دشوار رہا ہوگا۔ کیونکہ آجکل غذا مہیا کرنے کے لئے (تقسیم عمل کے اصول کے لحاظ سے) بے شمار آدمیوں کی محنت و جانفشانی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، لیکن زمانۂ قدیم میں یہ کام صرف عورت کا تھا کہ وہ غذا مہیا کرے، مردوں اور اپنے بچوں کے سامنے لائے، اسکے لیے عورت کو جس قدر کاوش کرنی پڑتی اور اس کاوش نے جتنے پیشوں کی بنیاد

دنیا میں قائم کی، اُن کا حال آگے معلوم ہوگا۔

جب عورت اوّل اوّل دنیا میں آئی تو اس کے پیش نظر کوئی مثال نہ تھی کہ وہ اُس کو دیکھ کر فراہمی غذا کے اصول کو سمجھتی اور اُن پر کاربند ہوتی، اور اگر کوئی مثال تھی بھی تو طیور و وحوش کی جو اپنے بچوں کو مختلف طریقوں سے غذا پہونچاتے تھے، لیکن عورت اِن کا بھی تتبع نہ کر سکتی تھی، کیونکہ نہ اُس کے پاس تیز پنجے تھے کہ وہ زمین کھود سکتی اور نہ پر و بال کہ وہ پرواز کر کے درختوں کی پیداوار اپنے بچوں کے سامنے لاکر رکھ دیتی، اسلئے وہ مجبور تھی کہ حیوانات سے جُدا کوئی راستہ اختیار کرے، اور خود ایسے آلات و اوزار بنائے جو فراہمی غذا میں اس کے لئے آسانی پیدا کر سکیں، اس غرض کی تکمیل کیلئے اُس نے نباتات، جمادات، حیوانات تینوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی، اور زمانہ شاہد ہے کہ سب نے اُس کی التجا کو قبول کیا اور عورت اُن سے متمتع ہوئی۔ جس وقت عورت نے اپنا اولین قدم مقصود کی طرف بڑھایا اُس وقت سب سے پہلے جو چیز اُس کو بیسیر الحصول نظر آئی وہ درختوں کی پیداوار تھی۔ یعنی جن پتیوں اور پھلوں تک اُس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا، اُن کو توڑا اور اپنے بچوں اور مردوں کے سامنے پیش کیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسقدر زمانہ اس حال میں گزرا، لیکن اسکے بعد ایک وقت ایسا آیا جب عورت نے فراہمی غذا کے اسباب میں وسعت پیدا کی، اور نوک دار پتھروں کے ذریعے سے زمین کھود کر گھاس کی جڑیں اور اُسکے بیج فراہم کیے اور غذا کے کام میں لائی۔ گھاس اور اُس کے تخم کو کن کن طریقوں سے اُس نے استعمال کیا۔ اِسکی

تفصیل بیان کرنی مشکل ہی لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہی کہ اُس نے زمین کی اس قدرتی پیداوار کو اگرچہ زمانہ تک جانوروں کی تقلید میں یونہی کچا کھایا، تو اُس کے بعد اُبال کر، بھون کر، استعمال کیا۔ ہر چند یہ بھونا یا اُبالنا بھی صرف اُن پتھر کے ٹکڑوں کی مدد سے ہوتا تھا جو حرارتِ آفتاب سے گرم ہوجاتے تھے، لیکن کیا ہم اُس عورت کی ذہانت کی داد الفاظ سے دے سکتے ہیں، جس نے اوّل اوّل بھوننے یا اُبالنے کے اس عجیب وغریب طریقے کو ایجاد کیا؟ اور کیا آج ہم اُن برکات کا احصا کرسکتے ہیں جن کو عورت کی اس سادہ ذہانت نے زمانۂ مابعد میں مختلف فنون کی صورت سے وابستہ کرکے دُنیا اور دُنیا والوں کی ترقی کا دروازہ کھول دیا؟

زمانۂ قدیم میں انسان نے ایک جگہ مستقل طور سے آباد رہنا نہیں سیکھا تھا، اسلئے وہ ایک متحرک زندگی رکھتا تھا اور صحرا بہ صحرا پھرنا اسکا محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن یہ محقق ہی کہ جہاں جہاں انسان گیا، وہاں عورت نے فراہمی غذا کے مسئلہ کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر اس میں کامیابی حاصل کی[1]

جس وقت غور کیا جاتا ہی کہ اُس وقت سے لے کر جب انسان صرف خام پیداوارِ زمین کی چبایا کرتا تھا، اس زمانہ تک کہ غذا باقاعدہ طور سے پکا کر استعمال کی جانے لگی۔ اور اُس میں تنوع پیدا کیا گیا، کتنے مدارج ارتقا کے طے ہوئے ہونگے، تو ہم ان کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن یہ یقینی ہی کہ

استدراک

لہ Mason's Woman's Share in Primitive Culture

زمین کھودنا، اُس میں تخم ڈالنا، زراعت کی حفاظت کرنا، پختہ ہونے کے بعد غلّہ کو کاٹنا، انبار کرنا، صاف کر کے پیسنا اور پکانا، یہ ضروری کڑیاں اس سلسلہ ارتقاء کی ہیں جن کو عورت نے طے کیا ہوگا اور پھر ان تمام مشاغل کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت لاحق ہوئی ہوگی، اُن کو بھی عورت ہی نے بنایا یا مہیا کیا ہوگا۔ کیا کوئی شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ان مدارج کے عبور کرنے کے لیے عورت نے کس قدر زحمت اُٹھائی ہوگی، اور اُس کو اپنی ذہانت و فراست سے کتنا کام کرنا پڑا ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سارے کام تنہا عورت نے کیے، اور مرد کا ہاتھ اُس میں شامل نہ تھا، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ زیادہ حصہ محنت کا عورت ہی کی طرف منسوب ہے، جیسا کہ قدیم روایات و حاصل حفریات سے معلوم ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایک قوم نواجو (Novajo) ہے اسکے علم الاصنام میں جو روایات بیان کی گئی ہیں اُن سے بھی اس کی تحقیق ہوتی ہے۔

میتھیوز (Mathews) جو اِن روایات کا جامع ہے لکھتا ہے:۔

"ہر روز جب کہ جوان بیٹے! ہر شکار کو نکل جاتے تو بوڑھے مرد اپنی پتھر کی کلہاڑیوں سے درختوں کی پتلی شاخیں کاٹ کر جھونپڑے تیار کرتے، اور لڑکیاں اور عورتیں گھاس اور پتیاں جمع کر کے کھانا تیار کرتیں[1]"

علاوہ اِس کے اب بھی تمام ممالک کی دیسی زندگی پیش نظر رکھی جائے تو

استدراک

[1] (Mathew's Mountain Chants)

یہ فیصلہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ کوہستان کلیفورنیا[1] کی وادیوں میں بعض حصے ایسے ہیں، جہاں کی مخلوق اب بھی جنگلی گھاس کے تخم پر اپنی زندگی بسر کرتی ہے اور اس کو عورت ہی فراہم کرتی ہے۔ جس وقت گھاس پختہ ہو جاتی ہے عورتوں کا غول نکل کھڑا ہوتا ہے۔ ان کے ایک ہاتھ میں قیف کے شکل کی ٹوکری ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ٹینس کے بلے کی طرح ایک ڈنڈا۔ وہ گھاس کے مٹھے ٹوکری کے کنارے پر رکھ کر ڈنڈے سے کچلتی ہیں، یہاں تک کہ بیج گھاس سے نکل کر ٹوکری کے اندر جمع ہو جاتے ہیں۔ جب ٹوکری بھر جاتی ہے تو عورت اپنے سر یا شانہ پر اٹھا کر گھر لے جاتی ہے[2]۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ زمانۂ حال کی اختراع نہیں ہے بلکہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے جو ہنوز اُن میں جاری ہے۔ غلہ کے ذخائر اور خرمن جمع کرنے کے جو طریقے آج کل تمام ممالک میں دیکھے جاتے ہیں وہ بھی سب عورت ہی کی ایجاد ہیں اور ان میں سب سے قدیم اختراع وہ ہے، جس کے نمونے آج کل افریقہ کے بعض حصص میں دیکھے جاتے ہیں۔ غلہ ایک جگہ انبار کر کے اس پر گھاس وغیرہ ڈال کر مٹی سے ڈھک دیتے ہیں، اور اس کی ایک گنبد نما شکل ہو جاتی ہے، اس طریقے سے نہ غلہ بھیگ سکتا ہے اور نہ جنگلی چوہے نقصان کر سکتے ہیں[3]۔ حفاظت غلہ کی مختلف تدابیر میں سے ایک تدبیر آگ کا پالنا بھی ہے جس پر سب سے پہلے عورت نے غور کیا۔

استدراک

[1] (California)

[2] F V. Coville, American Anthropologist, Washington, 1892, V I. V P. 354

[3] (Schweinfurth's Artes Africanae)

کتوں اور دودھ دینے والے جانوروں کو مانوس کرنے کا خیال پہلے کس کو پیدا ہوا مرد کو یا عورت کو اس میں اختلاف ممکن ہو لیکن یہ امر یقین کی حد تک پہنچتا ہو کہ بلّی کا خیال عورت کو پیدا ہوا اور اس سے رفتہ رفتہ ذخائر خوراک کی حفاظت کا کام بھی لیا جانے لگا۔ اس کا ثبوت قدیم تاریخ مصر سے ملتا ہو کہ رآ (Ra) کی بیٹی سخت (Sekhet)، بلّی کو متبرک سمجھتی تھی اور اس عہد میں جنگلی بلّی کے بچے پکڑ کر پالے جاتے تھے جن سے انسان کے بچّے کھیلتے تھے اور بڑھ جانیکے بعد اُن سے ذخائر غلّہ کی حفاظت کا کام لیا جاتا تھا[۱]

امریکہ، ہندوستان، افریقہ، ملایا، پالینیشیا، کی موجودہ وحشی قوموں کے طریقِ معاش سے ثابت ہو کہ عہد قدیم میں ذخائر غلّہ کی حفاظت عورت ہی کے ذمّہ تھی اور اب بھی اُن میں وہی قدیم دستور غلّہ کے محفوظ رکھنے کا رائج ہے۔

جب غلّہ کو پیسنے کا خیال ہوا تو عورت نے اس کام کے لئے دو چیزیں بنائیں جن میں کی ایک چیز یعنی کھرل اب دوا سازوں کے کام میں ہو۔ اور دوسری چیز یعنی چکّی ابھی تک عورت کے قبضے میں ہو۔ زمانہ قدیم میں غلّہ پیسنے کے لئے کھرل کا استعمال بہت کثرت سے پایا جاتا تھا۔ کہیں کھرل پتھر کی ہوتی تھی اور دستہ بھی پتھر ہی کا۔ کہیں کھرل لکڑی کی اور دستہ بھی لکڑی کا۔ کسی جگہ کھرل لکڑی کی اور دستہ پتھر کا۔ ہندوستان میں بھی اوکھلی اور

استدراک

[۱] Mason' Wn's Share in Pr. Culture

Maeon's Wn's Share in Pr. Oulrure

موسل اُسی کی یادگار ہیں۔ جو آج بھی دیہات و قصبات میں کثرت سے نظر آتے ہیں اور اکثر و بیشتر عورتوں ہی اُن سے کام لیتی ہیں۔

قطب شمالی کی طرف کوہ الیاس سے گزرنے کے بعد کھرل کا استعمال خشک مچھلی کو باریک کرنے کے لئے کثرت سے نظر آتا ہے شمالی امریکہ میں بھی اس کا بہت رواج ہے۔ ایشیا میں بھی دھان کوٹنے کے لیے ہر جگہ اس سے کام لیا جاتا ہے۔ اور افریقہ میں تو کوئی حصہ ایسا نہیں، جہاں غلہ کو ٹنے یا پیسنے کے لئے اوکھلی یا کھرل نہ استعمال کی جاتی ہو۔ اور ہر جگہ یہ خدمت عورتوں ہی کے سپرد ہے[1]۔ کلیفورنیا میں اب آبپاشی کے ذریعہ سے تھوڑی بہت کاشت کرنے کا رواج ہوا ہے ورنہ زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جنگلی صنوبروں کے پھل کو عورتیں جمع کرکے ایک جگہ خشک ہونے کے لئے ڈال دیتیں، جب پھل چٹخ جاتے تو عورت کوٹ کوٹ کر اس کے اندر سے بیج نکال لیتی اور کسی غار یا گڑھے کے اندر اسکو محفوظ رکھ دیتی، جب کھانے کا وقت آتا تو حسب ضرورت ذخیرہ میں سے تھوڑے سے بیج نکال لیتی اور اُن کو تیغری کھرل میں پیسکر یا آگ میں بھون کر اپنے بچوں اور مردوں کے سامنے لاکر رکھ دیتی[2]۔

استدراک

Schweinfurth's Artes Africanae ۔[1]

Coville, Anthropologist Washington, 1892 Vol. V, Pp 351—302 ۔[2]

کالیفورنیا (California) کی عورتوں کے متعلق مسٹر اسنایڈر (Snyder) لکھتے ہیں[1]۔

"میں نے وہاں کی عورتوں کو دیکھا ہے کہ مخروطی شکل کی ٹوکریوں میں بلوط کے پھلوں کو جمع کر لیتی ہیں اور پتھر کی چٹانوں میں بہت سے سوراخ کر کے اُن کے اندر پتھروں کی مدد سے پھلوں کو کچلتی ہیں اور پھر گرم سنگریزوں کی مدد سے اُن کو بھون کر کھاتی ہیں۔"

دوسرا طریقہ غلہ پیسنے کا چکی ہے۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل چکی کے جس چیز سے غلہ کو باریک کرنے کا کام لیا جاتا تھا وہ سِل ہے اور اُس کے بعد چکی ایجاد کی گئی۔ عہد مسیح میں اور اُس کے قبل بھی چکی کا رواج پایا جاتا ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا، امریکہ کے تمام حصص میں چکی اپنا کام کر رہی ہے اور ہر جگہ عورت ہی کا ہاتھ اُس کو جنبش دیتا ہوا نظر آتا ہے[2]۔

جن لوگوں نے دیہات کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ زراعت کے کام میں عورت کتنی منہمک نظر آتی ہے اور کھیت جوتنے کے وقت سے لیکر اُس ساعت تک کہ کھانا پک کر سامنے آتا ہے، عورت کو کتنے کام کرنے پڑتے ہیں۔ یقیناً ہل چلانے میں مرد زیادہ حصہ لیتا ہے لیکن دانے کو کھیت میں منتشر کرنا جب وہ اُگے تو اُس کی حفاظت کرنا، گھاس وغیرہ سے کھیت کو صاف کرنا

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in Pri. Culture, P. 21

[2] Mason's Wn's Share in Pri. Culture, P. 21

کاٹنا، انبار کرنا۔ کوٹنا۔ دلنا۔ پیسنا۔ چھاننا، گوندھنا، پکانا، سب عورت ہی کے سپرد ہے۔ اور چونکہ تمام ممالک میں مہذب ہوں یا غیر مہذب۔ غلّہ دیہات ہی سے فراہم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی ساری دنیا کی حیات کا انحصار عورت کی محنت پر ہے۔

اب مشروبات کے متعلق دیکھیے کہ عورت کے فرائض کیا تھے اور ہیں۔ انگولا[1] Angola میں اور جہاں جہاں کھجور کے درخت تازہ ہوتے ہیں۔ وہاں عورت ایک تونبا اپنے گلے میں لٹکا کر برہنہ پا درخت پر چڑھ جاتی ہے جب چوٹی تک پہنچ جاتی ہے تو وہ درخت کی چھال کو زخمی کرکے تونبے کو اس جگہ لٹکاتی ہے۔ اور تقریباً بارہ گھنٹے کے بعد پھر چڑھتی ہے اور برتن کو جو عرق سے بھرا ہوتا ہے۔ اتار لاتی ہے[2]۔ بہت سے ممالک میں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں زہریلا تلخ مادہ پایا جاتا ہے۔ ان ممالک کی تمام عورتوں نے اپنی ذہانت سے اس امر کو دریافت کرلیا کہ زہریلا مادہ اُبالنے یا جوش دینے سے نکل جاتا ہے۔ وہ ایسے درختوں کی پتیوں اور چھالوں کو جمع کرکے پانی میں جوش دیتی ہیں یا اور پھر سرد پانی سے دھوتی ہیں، اس عمل کو وہ متعدد بار کرتی ہیں یہاں تک کہ تلخی بالکل زائل ہوجاتی ہے اور پتیاں کھانے کے قابل ہوجاتی ہیں، گرم پانی سے نباتات کا زہر دور کرنا وحشی عورت کی ایجاد ہے۔

استدراک

[1] وسط افریقہ میں مغرب کی طرف ایک مقام ہے (Angola)

[2] Proc. J. Anthrop. Inst. London, 1882, Vol. P. 190

[3] Covil e, P 354

کلیفورنیا کے جنوب و مغرب میں ایک قسم کی لانبی گھاس پیدا ہوتی ہے
جس میں کچھ شکر کا مادہ پایا جاتا ہے۔ شروع ایام گرما میں جب گھاس پک جاتی ہے
تو عورتیں اس کو کاٹ کر خشک کر لیتی ہیں، اور خشک ہونے کے بعد کوٹ کر
چھان لیتی ہیں۔ اس چھنے ہوئے آٹے میں کچھ لیس ہوتا ہے۔ عورتیں اس آٹے
کو پانی سے گوندھ کر آگ پر رکھ دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ بھن جاتا ہے اور پھول کر
کیک یا ڈبل روٹی کی صورت اختیار کر لیتا ہے؎۱

یہاں تک صرف ان ماکولات اور مشروبات کا ذکر تھا جو بہت ادنیٰ قسم
کے ہیں اور جو صرف گھاس اور جنگل کی پتیوں سے حاصل ہوتے ہیں لیکن تحقیق سے
معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے صرف یہی نہیں کیا کہ صحرائی پیداوار سے غذا کا کام
لیا ہو۔ بلکہ اس نے زمین کھود کر تخم ریزی بھی کی اور اس طرح اوّلین زراعت
کی بنیاد ڈالی؎۲۔ یقیناً عورت کا زراعت کی حد تک پہونچنا ارتقا تھا۔ گھاس کی
جڑیں کھودنے کا۔ کیونکہ اس طرح رفتہ رفتہ اس نے معلوم کیا کہ درخت نتیجہ ہوتا ہے
تخم کے زمین میں مدفون ہونے کا، اور اس نے بیج کو زمین میں ڈال کر اس
قیاس کو تکمیل کی حد تک پہونچایا، عورت کے اس تجربہ میں بہت مدد ملی گئی
صرف اس سیر و سیاحت سے جو پانی کی جستجو میں انسانی قافلوں کو کرنی پڑتی تھی
زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جہاں پانی کا چشمہ ملتا تھا، وہیں انسانی قافلوں

استدراک

؎۱ Coville, T. 355

؎۲ Travels in S. Africa, New York, 1858, P. 442

کی صورت میں آباد ہو جاتا تھا۔ اور جب وہ چشمہ خشک ہو جاتا تھا تو دوسرے چشمے کی تلاش شروع ہوتی تھی۔ تاکہ وہاں قیام کیا جا سکے۔ جب انسان نے دیکھا کہ اس طرح کہاں تک زندگی بسر ہو سکتی ہے اور کتنے چشمے ایسے مل سکتے ہیں جو اس کبھی نہ بجھنے والی پیاس کو رفع کر سکیں۔ تو سب سے پہلے جس نے اس مسئلہ پر غور کر کے تدبیر کی طرف توجہ کی عورت تھی۔ چونکہ پانی لانے کے لیے اس کو چشموں پر زیادہ جانا پڑتا تھا۔ اس لئے اس کے تجربات زیادہ وسیع تھے اور آخر کار اس نے معلوم کیا کہ اگر چشموں کو ذرا گہرا کر دیا جائے تو پانی زیادہ عرصہ تک میسر آ سکتا ہے اور اس طرح کنوئیں کی بنیاد سب سے پہلے عورت ہی کے ہاتھ سے پڑی۔[1] یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ چشموں کی تہ کا پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اور کس طرح غاروں اور جھونپڑوں تک پہونچایا جاتا تھا۔

زمانہ حال کی وحشی اقوام کے حالات کا مطالعہ کرنے سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں پانی لانے کا کیا طریقہ رہا ہوگا۔ یہ لوگ بڑے بڑے بانسوں کو بیچ سے پھاڑ کر دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور ایک ٹکڑے کو دوسرے کے ساتھ جوڑ کر چشمے سے جھونپڑے تک ایک نالی سی بنا لیتے ہیں اور اس نالی کے ذریعہ سے پانی جھونپڑوں تک پہونچتا ہے۔ یہ بانسوں کا پھاڑنا ان کے ٹکڑوں سے نالی بنانا اور پانی کا جھونپڑے تک پہونچانا سب عورتوں ہی کے سپرد ہے۔[2]

استدراک

[1] Mason's Wo's Share in Pr. Culture, P. 25

[2] Wallklay Archipelago, New York, 1869

پانی حاصل کرنے میں جو ذہانت صحرائے افریقہ کی عورتیں صرف کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسان کی یہ ضعیف و نازک جنس فطرتاً اختراع پسند واقع ہوتی ہے۔ افریقہ کے ریگستان میں پانی معدوم ہے اور منزلوں تک کوئی چشمہ نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس ریگستان میں قبائل کے قبائل آباد ہیں۔ غذا کے متعلق تو خیر کہا جاسکتا ہے کہ وہ صحرائی جانوروں کا شکار کر کے اُن کا گوشت کھاتے ہیں، لیکن پانی کیونکر دستیاب ہوا۔ اس معمہ کو عورت نے حل کیا۔ اور آج بھی صحرائی قبائل کی زندگی عورت کی اُس تدبیر کی ممنون ہے جسے پانی مہیا کرنے کے لئے وہ عمل میں لاتی ہے۔ شتر مرغ[1] کے بیس تیس انڈوں کے چھلکے جو ایک لوٹے یا بڑے پیالے کی شکل میں ہوتے ہیں جال یا کپڑے میں رکھ کر ریگستان کی طرف نکل جاتی ہیں۔ وہاں پہونچکر وہ ایک مٹھی باریک گھاس لے کر نے یا پتلے سے کھوکھلے بانس کے ٹکڑے کے کنارے پر باندھ دیتی ہے۔ اور ریت میں جہاں تک اس کا ہاتھ پہونچ سکتا ہے اندر داخل کر دیتی ہے اور پھر باہر نکال لیتی ہے۔ اس طرح گیلی ریت گھاس میں لپٹ کر آجاتی ہے۔ عورت نَے کے دوسرے کنارے کو ہونٹوں سے داب کر ریت کی نمی کو چوستی ہے اور جب منہ میں کافی پانی جمع ہو جاتا ہے تو انڈوں کے چھلکوں میں کلیوں کے ذریعے سے بھرتی جاتی ہے۔ اس طرح جب سارے چھلکے بھر جاتے ہیں تو وہ انھیں گھر لے جاکر ریت میں داب دیتی اور ضرورت کے وقت

استدراک

---

[1] شتر مرغ ایک مشہور جانور طائر کی شکل کا ہے جو افریقہ میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اُسکے انڈے بڑے بڑے خربوزے کے برابر ہوتے ہیں۔

پانی نکال کر کام میں لاتی ہے۔ یقیناً یہ طریقہ پانی نکالنے کا نہایت وقت طلب نظر آتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کافی پانی مہیا ہو سکتا ہوگا۔ لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ صحرائے افریقہ کے بہت سے قبائل کی زندگی عورتوں کی اسی ترکیب و تدبیر پر منحصر ہے اور وہ اسپر از بس قانع و مسرور نظر آتے ہیں۔ چونکہ اس خدمت کو صرف عورتیں ہی انجام دیتی ہیں اور وہی آسانی و کامیابی کے ساتھ ریت کے اندر سے پانی جذب کرکے مہیا کر سکتی ہیں، اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں نے ہی اس طریقے کو اختراع کیا۔

کھانے کی ضروریات میں اس وقت بھی وہ چیز جس کا ہر باورچی خانہ میں پایا جانا لازم ہے، چاقو یا چھری ہے۔ زمانۂ قدیم میں اگر ایک طرف مرد شکار کرنے کیلئے سنگین ہتھیار بنانے کی فکر میں مصروف تھا تو دوسری طرف عورت جو مردوں کے لائے ہوئے شکار کو صاف کرنے، کاٹنے بنانے کی خدمت انجام دیتی تھی۔ کسی ایسے آلے کی ضرورت کو محسوس کر رہی تھی جو اس کام میں مدد دے۔ چونکہ مردوں کا شکار مہیا کرنا، اور عورت کا اس کو کاٹ کر غذا تیار کرنا دونوں ساتھ ہی ساتھ عالم ایجاد میں آئے، اس لئے مردوں کا سنگین، تیر، اور بھالے سے اور عورت کا سخت پتھر کے پتلے نوک دار ٹکڑے سے چاقو یا چھری کا کام لینا بھی ساتھ ساتھ عمل میں آیا ہوگا۔

استدراک — Livingstone Travels and Researches in South Africa, 1858 — ۵۵

امریکہ میں اسکیمو (Eskimo)[1] کی عورتیں آج بھی ایک زبردست چھری قیمہ کرنے کے لئے استعمال کرتی ہیں[2]۔ جس کی ساخت و وضع بہت قدیم زمانہ کی ہے۔ اس سے نہ وہ صرف گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مدد لیتی ہے بلکہ کھال کے کاٹنے اور تسمے وغیرہ بنانے میں بھی اس سے کام لیتی ہے چونکہ اگلے زمانہ میں جانوروں کی کھال کا ملبوس بھی بنایا جاتا تھا۔ اس لئے عورت اسی اوزار سے چمڑے کی قطع و برید بھی کرتی تھی۔ اسی اوزار کے ساتھ عورت نے ایک اور چیز بھی بنائی جو ہڈیوں کے توڑنے اور مغز نکالنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔ اس کو ہتھوڑا یا مونگری کہہ سکتے ہیں۔ پتھر کے گول ٹکڑے میں خفیف سا گڑھا کر کے اس میں ایک دستہ قائم کیا جاتا تھا۔ اور خام چمڑے کو گیلا کر کے اس پر چڑھا دیتے تھے جب چمڑا خشک ہو جاتا تھا تو دستہ پتھر کے ٹکڑے کے ساتھ اچھی طرح وصل ہو جاتا تھا۔ یہ تھا وہ ہتھوڑا جس سے گوشت اور ہڈی وغیرہ کچلی جاتی تھیں[3]۔

گرم ممالک میں جہاں گوشت آسانی سے خشک ہو جاتا ہے اور جہاں برف کا خیال نہیں ہوتا، عورتیں گوشت کے باریک باریک ٹکڑے کر کے دھوپ میں سکھا دیتی ہیں۔ اور خشک ہونے کے بعد پتھروں سے اسے کوٹ کر باریک کر لیتی تھیں۔

---

[1] شمالی امریکہ کے شمال میں ساحل خلیج ہڈسن (Hudson) پر ایک مقام استدراک

[2] Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. ·

[3] Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 27

جو عرصہ تک اُن کی غذا کا کام دیتی تھی۔ بعض ممالک میں یہ بھی دستور تھا کہ قیمہ کیے ہوئے گوشت میں ہڈیوں کا مغز اور چربی ملا کر کچی کھال میں بند کر کے سی دیتے تھے۔ اور خشک ہونے کے بعد اس کو کاٹ کاٹ کر کھاتے تھے۔ الغرض ان ایام کاموں میں ہتھوڑا بہت کام دیتا تھا، جو یورپ کے عجائب خانوں میں اب بھی دیکھا جاتا ہے[1]

گوشت پکانے کا قدیم ترین طریقہ جو معلوم ہوا ہے یہ تھا کہ گوشت کے ٹکڑے یا مچھلی کو لکڑی پر رکھ کر آگ کے سامنے لٹکا دیتے تھے یا انہیں پتوں میں لپیٹ کر گرم راکھ میں دبا دیتے تھے۔ اس کے بعد برتن بنانے کا خیال پیدا ہوا اور سب سے پہلے اس خیال نے جو عملی صورت اختیار کی یہ تھی کہ عورت نے پتھر یا زمین میں گڑھا کیا اور اس میں گوشت رکھ کر گرم کیے ہوئے پتھر کے ٹکڑے ڈال دیے جنھوں نے پانی میں جوش پیدا کیا اور گوشت کی اجلہ تمام نہ رہا[2]

یہ امر کہ عورت نے پتھر کی کلہاڑیوں سے درخت کاٹا یا نہیں، اس کی بابت یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کام میں عورت نے آگ کی مدد سے مرد کی اعانت ضرور کی ہے۔ اور اسی سلسلے میں سب سے پہلے لکڑی کی ہانڈی بنائی گئی۔ وہ درخت کے تنے سے ایک حصہ حسب ضرورت

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in Primitive Culture, P. 29

[2] Mason's Wn's Share in Primitive Culture, P. 30

الگ کر کے صنوبر کے گھر میں اس پر آگ جلاتی تھی جس کے تنے کی لکڑی بھی آگ پکڑ لیتی تھی۔ آگ کا شعلہ اگر ادھر ادھر پھیلتا تھا تو کیچڑ گیلی چھال وغیرہ کے حصار سے شعلے کی رفتار کو محدود کیا جاتا تھا۔ جلتے جلتے جب راکھ تہ میں جمع ہو جاتی تھی، اور لکڑی کا جلنا موقوف ہو جاتا تھا تو وہ آگ وغیرہ نکال کر گھاس کی جھاڑو سے اس کو صاف کر دیتی تھی اور نوک دار پتھر کے ذریعہ سے جو حصہ لکڑی کا کوئلہ ہو جاتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتی تھی، یہاں تک کہ صاف لکڑی نکل آتی تھی، اگر ایک ہی دفعہ میں کافی عمق لکڑی میں پیدا ہو گیا تو خیر ورنہ پھر آگ روشن کر کے یہ ہی ترکیب عمل میں لائی جاتی تھی اور دو چار دفعہ میں لکڑی کا تنا اچھی خاصی ہانڈی بن جاتا تھا، جس سے غذا ابالنے اور پکانے کا کام لیا جاتا تھا[۱]۔ چونکہ سنگین ظروف کی نسبت وحشیوں کا تجربہ تھا کہ گرم ہونے کی حالت میں جب پانی ان میں ڈالا جاتا ہے تو وہ پھٹ جاتے ہیں، اس لیے لکڑی کی یہ ہانڈی ان کیلئے بڑی قیمتی تھی۔

امریکہ میں زمانۂ قدیم کے باشندوں نے ایک اور پتھر سے ظروف بنانے کا کام لیا، جس کو سوپ اسٹون (Soap stone) کہتے ہیں۔ اس میں شق ہو جانے کا عیب نہ تھا۔ یہ پتھر زمین کے اندر سے نکلتا تھا چنانچہ شمالی امریکہ کے مشرق میں بہت سے گڑھے اب بھی پائے جاتے ہیں جہاں سے

---

[۱] استدراک Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 32

ازمنۂ قدیم کے وحشی پتھر نکالتے تھے، وہیں برتنوں کے ٹکڑے اور کچھ اوزار بھی دستیاب ہوئے ہیں[۱] جن سے برتن بنائے جاتے تھے۔

کھانا تیار کرنے کے متعلق اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ عورتیں گوشت خشک کر کے اُبال کر آگ کے سامنے بھون کر کھانے کے قابل بناتی تھی، مسز ایلی سن (Mrs. Allison) نے کناڈا کی عورتوں کے حالات میں لکھا ہے[۲]

"یہاں کے وحشیوں کی خوراک پہلے صرف گوشت تھا جو کبھی تازہ بھون کر اور کبھی خشک کر کے کھایا جاتا تھا، عود بلاؤ کی دُم اور ریچھ کے پنجے کا نفیس غذا میں شمار تھا، سورج مکھی کے بیجوں کو پیس کر اس کا آٹا استعمال کیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے اسپٹیم (Sputtum) گھاس کی جڑیں کھود کر خشک کر لی جاتی تھیں یا انھیں اُبال کر کھا لیا جاتا تھا۔ ایک گھاس اور کالی کی طرح لانبی ہوتی تھی۔ اس کو جمع کر کے کچھ عرصہ تک پانی میں رکھا جاتا تھا اور پھر ایک گڑھا کھود کر گرم پتھروں پر اس کو بچھا دیتے تھے اور اس پر پتیاں اور پتھر کے ٹکڑے ڈال کر ڈھک دیتے تھے چند روز بعد جب یہ ٹکڑے کھولے جاتے تھے تو وہ گھاس مربہ کی طرح ہو جاتی تھی اور اس کے ٹکڑے کاٹ کر کھانے کے کام

استدراک

ـلـه Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 34, 35

ـگـه Mason's Wn's Share in Pr. Culture. P. 34. 35

میں لائے جاتے تھے"

بنکرفٹ (Bancroft) کا بیان ہے کہ[1]

"جزیرۂ وینکوور (Vancouver)[2] میں عورتیں چار طریقوں سے کھانا تیار کرتی تھیں ایک اُبال کر۔ لکڑی کے برتنوں میں گرم پتھر کے ٹکڑے ڈال کر ہر قسم کی غذا اُبالی جاتی تھی۔ دوسرا طریقہ بھاپ کے ذریعہ سے پکانے کا تھا۔ گرم پتھر پر کھانا رکھ کر اور اس پر پانی ڈالکر چٹائی سے اچھی طرح ڈھک دیتے تھے لیکن یہ طریقہ بہت کم رائج تھا۔ تیسرا طریقہ بھوننے کا تھا اور یہ صرف چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیار کرنے کے لئے مستعمل تھا، چوتھا طریقہ خام چیزوں کے کھانے کا تھا اور مچھلیوں کے انڈے زیادہ تر کچے ہی کھائے جاتے تھے"

اب بھی ایشیا اور جزائر ایشیا[3] کے وحشی قوموں کے حالات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے کہ ازمنۂ قدیمہ میں انسان کے اسباب خور و نوش کیا تھے اور موجودہ مہذب ممالک کے طریق طعام تک پہونچنے کے لئے مراسم قدیمہ نے کتنے مدارج ارتقاء کے طے کیے۔ تمام دنیا میں کوئی قوم ایسی نظر نہ آئے گی کہ اُس کے ہاں کھانا پکانے کا انتظام مرد کے سپرد ہو۔ استدراک۔

---

[1] Bancroft, Native Races, New York, 1874-76

[2] ایک جزیرہ جو شمالی امریکہ کے مغرب میں برٹش کولمبیا سے ملا ہوا ہے۔ اس پر برطانیہ کا قبضہ ہے۔

[3] جزائر ایشیا کی تعداد بہت ہے جن میں خاص خاص یہ ہیں: سماترا، جاوا، بورنیو، جزائر فلپائن، لنکا، قبرص

جس ملک اور جس آب و ہوا میں جاکر دیکھئے، غذا اور سامان غذا پر عورت ہی کی حکومت نظر آتی ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں عورت خود برتن صاف کرتی ہے۔ اپنے ہاتھ سے ترکاری وغیرہ چھیل کر پکاتی ہے اور مرد کے سامنے لاکر رکھتی ہے۔ اگر اور زیادہ ناقدانہ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمین کو قابل زراعت بنانے کے وقت سے لے کر اُس ساعت تک کہ نوالہ منھ تک پہونچتا ہے، کوئی درجہ یا مرحلہ ایسا نہیں ہے کہ عورت کا ہاتھ اُس میں شامل نہ ہو۔ غلّہ بونے میں وہ مدد کرتی ہے، جب پیڑ اُگ آتے ہیں تو وہ اُن کی حفاظت کرتی ہے، کھیتوں کو خس و خاشاک سے وہ صاف رکھتی ہے۔ خرمن جمع کرنے میں وہ مرد کی اعانت کرتی ہے، جب کھیتیاں پک جاتی ہیں تو اُن کے کاٹنے میں وہ زیادہ حصّہ لیتی ہے، اور جب غلّہ گھر میں آجاتا ہے تو پھر اُس کے کاموں کی کوئی انتہا نہیں۔ کوٹنا، پیسنا، چھاننا، پکانا وغیرہ وہ خدمات ہیں جن کو ہر شخص جانتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ میں عورت ان خدمات سے ایک حد تک سبکدوش ہے، لیکن کھانے کا اہتمام و انصرام وہاں بھی اُسی کے سپرد ہے، یعنی اگر وہ خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتی تو اپنی نگرانی میں دوسروں کے ذریعے سے اُن تمام مراتب کو طے کرتی ہے، جو تیاری غذا کے لئے ضروری ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ خدمت زمانۂ قدیم سے عورت کے سپرد ہے اور وہ اس کو بہ نسبت مرد کے بہ طریق احسن صرف اس لئے انجام دے سکتی ہے کہ ضروریات و فرائض کے زیر اثر

رہنے کے وجہ سے عورت کو اس میں کافی تجربہ حاصل ہے اور وہ اسباب خورد و نوش کے متعلق مخترع اول ہونے کی حیثیت سے اس کے اہتمام و انصرام کی زیادہ اہل ہے۔

دُوسری فصل

بُننے کے متعلق عورت کے کارنامے

تمام ان کاموں میں جو عورت کے ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں، بُننے سے زیادہ کوئی کام ایسا نہیں ہو جو کسی فن کی ترقی کے جغرافیہ کو بہترین پیرایہ سے ظاہر کرتا ہو یعنی اس صنعت اور اُس ملک کے درمیان جہاں اس کی ترقی ہوئی ہے جو تعلق ہے اس سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہو۔

آپ اگر کسی ملک میں کوئی مخصوص پیداوار کثرت کے ساتھ پاتے ہیں تو آپ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ عورت نے اُسے ضرور ڈھونڈھ نکالا ہوگا۔ اور اُس سے کوئی نہ کوئی کام لیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنس لطیف اور پیداوار فطرت کے درمیان ایک قدرتی رابطہ قائم تھا کہ عورت اُس تک فوراً پہنچ گئی اور یہ عورت کے ہاتھوں تک پہنچکر مختلف شکلیں اختیار کرنے لگی۔ اگر عورت نے کسی ملک میں وہاں کی پیداوار سے مخصوص صنعت و حرفت قائم کی اور پھر دوسرے ملک میں چلی گئی تو اپنی صنعت کو بھی ساتھ لے گئی۔ اور وہیں کے پیداوار سے کام لینا شروع کر دیا۔ حبشی عورتیں جب اوّل اوّل لونڈیوں کی حیثیت سے امریکہ گئیں، تو یہاں بھی اُنھوں نے کھجور کی پتیوں سے وہی کام لینا شروع کیا جو افریقہ میں لیا کرتی تھیں اور پیچ دار ٹوکریاں بنانی شروع کیں۔ عورت کی یہ صنعت قدیم دو قسمیں رکھتی ہو۔ ایک ٹوکریاں بنانا دوسرے ٹوکریاں بُننا۔ اول قسم کا

تعلق سخت پیداوار سے ہو۔ جس سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔ دوسری قسم نرم پیداوار سے متعلق ہو جس میں چٹائیاں۔ تھیلے، بادبان، ملبوس وغیرہ شامل ہیں۔ ان دونوں قسموں کے درمیان کوئی بین فرق الفاظ سے ظاہر کرنا دشوار ہے۔ صرف دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں صرف بننے اور پھندے ڈالنے کا فرق ہے۔ انہی دو خاص قسموں کی اور بھی چھوٹی چھوٹی تقسیمیں ہیں جیسے کاتنا، جال بننا، پھندے ڈالنا، فیتے بنانا، سینا وغیرہ، چھال کو کوٹ کر کپڑے تیار کرنے کا رواج خط جدی[1] اور خط سرطان کے درمیان واقع ہونے والے ممالک میں عام طور سے اب بھی پایا جاتا ہے"

قسم اول کی بھدی صورت ٹٹیاں اور جھابے ہیں یا پھر وہ جال ہیں جو شاخوں کو باہم گوندھ کر مچھلی پکڑنے کے لئے بنائے جاتے تھے۔ روئے زمین پر اب بھی کوئی وحشی قوم ایسی نہیں ہے جس کی عورتیں ٹوکری بنانا نہ جانتی ہوں اور ان کے مدفنوں سے بھی بنی ہوئی ٹوکریاں اور چٹائیاں کثرت سے برآمد ہوئی ہیں[2] جو ثبوت ہیں اس امر کا کہ یہ صنعت وحشیوں میں بہت زمانہ قدیم سے رائج ہے۔

استدراک

[1] خط استوا کے دو متوازی جانب جو حصہ کرۂ زمین کا ہے وہ مابین خط جدی و خط سرطان واقع ہے کرۂ ارض کی فرضی تقسیم جن خطوط سے کی گئی ہے ان میں [illegible] یہ بھی ہیں۔

[2] Ma on's Wn's Share in Primitive Culture

یہ ظاہر ہے کہ ان تمام کاموں کے لئے کسی نہ کسی اوزار کی ضرورت ہوگی اور بغیر کسی دقت و کاوش کے فطرت نے اپنی پیداوار کو انسان کی ذہانت کا مصرف بننے کے لئے یوں آسانی سے پیش نہ کر دیا ہوگا

ٹوکریاں بننے کے سلسلہ میں بعض اوزار تو وہ ہیں جو پیداوار صحرا فراہم کرنے سے متعلق ہیں، اور بعض وہ ہیں جو بننے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ اوزار سب کے سب بہت سادہ و معمولی ہیں چوں کہ ٹوکریاں بننے کے لئے مختلف پیداوار سے کام لیا جاتا ہے، کہیں لکڑی سے کہیں چھال سے کہیں گھاس اور اس کی جڑوں سے، اس لئے ان اوزاروں میں بھی اختلاف پیداوار کے ساتھ تفاوت ہے اور ہونا چاہیئے۔ لیکن ایک اوزار ایسا ہے جو تمام ممالک و اقوام میں مشترک ہے اور وہ سلائی یا ستالی ہے۔ جو ہر قسم کی ٹوکری بنانے کے کام میں مستعمل ہے اور جو زمانۂ قدیم کی عورتوں کی قبروں سے بھی برآمد ہوئی ہے۔

پہلے ٹوکری دو طرح بنائی جاتی تھی۔ ایک طریقہ بننے کا تھا اور دوسرا سینے کا اور ان دونوں میں بلحاظ پیداوار ایک بہت تنوع پیدا کیا جاتا تھا جنھوں نے مختلف ساخت و ممالک کی ٹوکریوں کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں تانے بانے کے لپٹنے کے انداز سے کتنا تنوع پیدا ہو جاتا ہے اور کتنے قسم کے پھول اور بیل بن جاتے ہیں۔

شمالی امریکہ میں ایک قوم "الگن کوئن"[1] ہے۔ اس قوم کی عورتوں نے

استدراک: ۱؎ (Algonquian)

معلوم کیا کہ بعض درخت ایسے ہیں جو تہ بہ تہ چھالیں رکھتے ہیں اور ایک خاص موسم و زمانہ میں اگر ان چھالوں کو لکڑی یا ہتھوڑے سے ضرب پہونچائی جائے تو حلقے کے حلقے الگ ہوجاتے ہیں۔ عورتوں نے اس معلومات سے فائدہ اُٹھا کر یہ حلقے نکالے، ان کی لمبی لمبی پٹیاں کاٹیں اور ٹوکریاں بنانی شروع کیں۔

واشنگٹن[1] (Washington) اور برٹش کولمبیا[2] British Columbia میں عورتیں دیودار کی چھال سے بھی یہی کام لیتی ہیں۔ تمام ممالک کی ٹوکریوں کی ساخت کا اصول ایک ہی ہے، ڈھانچے کی لکڑیاں سخت ہوتی ہیں اور جو ٹہنیاں اُس ڈھانچے پر لپیٹی جاتی ہیں وہ نرم ہوتی ہیں تاکہ ڈھانچے کی لکڑیوں سے اچھی طرح لپٹ سکیں اور اُن کے اُلٹ پھیر سے مختلف شکلیں پیدا ہوسکیں۔ کچھ زمانہ کے بعد پٹیوں کو رنگ کر استعمال کرنا شروع کیا گیا، جس سے ٹوکریاں اور زیادہ حسین نظر آنے لگیں۔

دوسری صورت ٹوکری بنانے کی وہ ہے جو بُننے سے متعلق ہے اس کا رواج زیادہ تر اُن ممالک میں پایا جاتا ہے جہاں بانس کثرت سے ہوتا ہے چنانچہ مشرقی ہند سیام کی ٹوکریاں نہایت خوبصورت و مضبوط ہوتی ہیں۔ ٹوکریاں بنانے والے پہلے بانس کے ٹکڑے اور بانس کی تیلیاں مہیا

آستدراک

[1] شمالی امریکہ میں یونائیٹڈ اسٹیٹس (United states) کا ایک مشہور مقام۔

[2] شمالی امریکہ میں مقبوضات برطانیہ کا ایک بڑا صوبہ۔

کرتے ہیں۔ پہلے بانس کے ٹکڑوں کو پیچ دے کر کمان کی طرح بنا لیتے ہیں۔ اور پھر اُن پر تیلیاں قائم کرکے اور بانس کے باریک چھلکے لپیٹ کر مختلف قسم کی ٹوکریاں تیار کرتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں گھاس کی باریک باریک جڑیں اسی کام میں لائی جاتی ہیں۔ واشنگٹن اور برٹش کلمبیا کی عورتیں ٹوکریوں پر چکنی مٹی لیپتی ہیں اور اس کے اندر گوشت وغیرہ ڈال کر گرم پتھروں کی مدد سے اُبال لیتی ہیں۔ قطب شمالی کی طرف ایک قسم کا صنوبر ہوتا ہے وہاں کی عورتیں اس کی باریک جڑوں سے ٹوکریاں بناتی ہیں گرم ممالک میں جہاں کھجور ہوتا ہے وہاں اُس کے پتوں سے یہ کام لیا جاتا ہے۔ جاپان میں صرف پٹیوں کے اُلٹ پھیر سے ٹوکریوں پر نہایت نفیس پھول بوٹے نمایاں کئے جاتے ہیں۔ جن پٹیوں یا بانس کے فیتوں سے ٹوکریوں کو سیتے ہیں ان کے بنانے کے مختلف طریقے ہیں۔ میتھیوز[1] ماؤنٹین چینٹ Mountain Chant میں لکھتے ہیں کہ

> "نواجو قوم کی عورتوں نے قبل اس کے کہ انہوں نے کمل بننا سیکھا، گھاس کی چٹائیاں بنائیں۔ اگر ٹوکریوں کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو شکلیں، پھول، پتیاں وغیرہ اُن پر نمایاں ہوتی ہیں۔ اُن میں کیسی یکسانیت ہوتی ہے۔ ایک کا دوسرے سے فصل و وصل اس قدر مرتب و منتظم ہوتا ہے کہ

استدراک۔

[1] Mathew's Fifth Annual Report

اُس سے نسوانی دماغ کی فطری ریاضی دانی بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ اگر بننے یا سینے کے وقت پٹیوں کے شمار اور پیچ ڈالنے کے نظم و انداز کو بھول جائے تو کبھی ایسی ہموار صورت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ٹوکریوں میں یکساں دھاریاں پڑ سکتی ہیں[1]"

بہت سی وحشی قوموں کی عورتوں نے یہ بھی کوشش کی کہ وہ ٹوکریوں میں طیور و وحوش وغیرہ کی صورتیں پیدا کریں اور اس حد تک اس میں کامیابی حاصل کی کہ اس وقت بھی مہذب ممالک میں بیل اور فیتے بنانے والی عورتیں ان کی نقل کرنے کو انتہائے مہارت سے تعبیر کرتی ہیں۔ افریقہ میں حبشی عورتیں کھجور کی پتیوں کی بہت سی لانبی لانبی پٹیاں چیر کر رکھ لیتی ہیں اور زمین پر بیٹھ کر صرف اپنی انگلیوں کی مدد سے اچھی اچھی چٹائیاں بنتی ہیں۔ اس صورت میں پٹیوں کو بل نہیں دیا جاتا بلکہ سیدھی استعمال کی جاتی ہیں۔ میکزیکو (Mexico) وسط امریکہ، جنوبی امریکہ، افریقہ (Oceania) اوشنیا میں کاغذ یا نمدے کی طرح چٹائیوں کے تھان کے تھان عورتیں تیار کرتی ہیں۔ واشنگٹن کے نیشنل میوزیم (عجائب خانہ) میں ایک چٹائی کا تھان چالیس فٹ لانبا اور دس فٹ چوڑا موجود ہے۔ جزیرہ ہوائی[2] (Hawai)

استدراک

[1] Mathew's Fifth Annual Report

[2] شمالی امریکہ اور آسٹریلیا کے درمیان ایک مشہور جزیرہ جو زمانۂ قدیم میں اپنے آتش فشاں پہاڑوں کی وجہ سے مشہور تھا لیکن اب ان پہاڑوں میں عرصہ دراز سے سکوت و سکون پایا جاتا ہے

میں چھالوں کے کپڑے تیار کرنا صرف عورتوں ہی کا کام تھا۔ اس کیلئے صرف موگریوں کی ضرورت ہوتی تھی جن سے وہ چھالوں کو کوٹتی تھیں، اور تو ہنوں کی جن سے پانی لے لے کر وہ چھالوں پر چھڑکتی تھیں۔ اس جزیرہ کی عورت کو یہ معلوم تھا کہ کس درخت کی چھال کوٹنے سے ریشہ ریشہ ہو جاتی ہے اور اُس ریشے سے کس قسم کا کپڑا تیار کیا جا سکتا ہے[1] امریکہ میں کلمبیا (Columbia) اور دریائے فرزر کے درمیان جو حصہ واقع ہے وہاں صنوبر کے درخت کثرت سے ہوتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں یہاں کی وحشی عورتیں ان صنوبروں کی چھالوں کو کوٹ کوٹ کر ریشم کے سے تار نکالتی تھیں اور ان سے کپڑا بنتی تھیں۔

افریقہ میں عورتیں کھجور کی پتیوں اور تار کی چھال سے ریشہ نکال کر کپڑا بنتی تھیں۔ ان ریشہ نکالنے والی عورتوں کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ جنھوں نے نسوں اور رگوں کے ذریعہ سے کپڑا تیار کیا۔ وہ ہرنوں اور دوسرے جانوروں کی پشت یا ٹانگوں کی نسوں کو دھوپ میں خشک کر لیتی تھیں اور کوٹ کوٹ کر ان سے ریشے نکالتی تھیں ''اسکیمو'' کی عورتوں نے جو تاگے اس طریق سے نکالے، ان میں بعض اتنے باریک تھے کہ آج بھی نہین سی مہین سوئی میں پروئے جا سکتے ہیں[2]

استدراک

[1] Bishop Brigham, Ms Catalogue, 1892

[2] Mason's Wn's Share in Pr. Culture

کپڑا بُننے سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہوئی ہوگی وہ تاگے ہیں اور تاگا بنانے کے لئے کاتنا یا بل دینا ضروری ہو۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہو کہ زمانہ قدیم میں جال بنانے، پھندا ڈالنے کے لئے جو تاگا یا ڈورا استعمال کیا جاتا تھا اُس کو پہلے ران پر رکھ کر ہتھیلی سے بٹتے تھے۔ جس سے ریشے یا ڈوریں بل پڑ جاتے تھے۔ بعض قوموں کی عورتوں میں لکڑی کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے بل دیا جاتا تھا۔ یعنی تاگے کے سِروں کو دو لکڑیوں میں باندھ کر ایک کو دوسرے پر گھماتے تھے اور اس طرح اُس میں بل پڑ جاتا تھا۔
ہندوستان کے دیہات میں اب بھی ڈوریاں اسی طرح بٹی جاتی ہیں۔ لیکن سوت کاتنے اور تاگا بٹنے کا وہ طریقہ (جو زمانۂ قدیم میں عام طور سے رائج تھا اور اب بھی ایشیا کے اکثر حصوں میں پایا جاتا ہے) چرخا ہے۔ یقیناً چرخے کی صورت یہ نہ تھی جواب ہو۔ لیکن اصول کے لحاظ سے جو طریقہ زمانۂ قدیم میں رائج تھا وہ موجودہ چرخے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہو۔ پہلے آہنی تکلا نہ تھا۔ بلکہ صرف ایک سیدھی سی لکڑی بجائے اس کے مستعمل تھی، تاہم چرخے کا دائرہ یا پنکھا بہت قدیم چیز ہے۔ سب سے پہلے جو آلہ سوت بُننے کے لئے کام میں لایا گیا، چرخا نہ تھا بلکہ ایک لکڑی تھی جو آج کل کی رئی یا متھانی (دودھ بلونے اور مکھن نکالنے کی لکڑی) سے بہت مشابہ تھی روئی یا اُون کو بائیں ہات میں لے کر اس کا تھوڑا سا سرا ہاتھ سے نکال کر لکڑی میں اٹکا دیتے تھے اور اس کو داہنے ہاتھ سے گھماتے تھے۔ اس طرح وہ حصہ جو ہات کی مدد سے بڑھایا جاتا تھا بٹ جاتا تھا اور اسی لکڑی میں

لپیٹ دیا جاتا تھا۔ آج کل ہندوستان میں کمہار اور ماہی گیر جال بنانے کے لئے دوڑ کو اکثر اسی طرح بٹتے ہیں۔

روم، یونان اور مصر کی زمینوں سے جو قدیم نقوش دستیاب ہوئے ہیں ان میں یہ منظر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورت چرخا یا پھرکی کے ذریعے سوت کات رہی ہے۔ دوآبۂ دجلہ اور فرات کے درمیان جو پتھر زمین سے برآمد ہوئے ہیں اُن سے بھی ۲۵۰۰ برس قبل مسیح چرخے کا رواج ارض فلسطین میں ثابت ہوتا ہے۔

تھامسن نے فلسطین میں کاتنے کا ایک اور قدیم ترین طریقہ معلوم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں عورتیں بکری کی اُون کو کاتتی ہیں لیکن نہ چرخے کا استعمال کرتی ہیں نہ پھرکی کا۔ وہ ایک پتھر سے اون کی ایک لڑ نکال کر باندھ دیتی ہیں اور پتھر کو چکر دیدیتی۔ جب اُون کی لڑ خوب بٹ جاتی ہے تو پتھر پر لپیٹ دیتی ہیں اور پھر اُون کو کھینچ کر پونی سی نکال لیتی ہیں اور اسے بھی اسی طرح بل دیتی ہیں۔ اس تاگے سے وہ تھیلے کمل وغیرہ بنتی ہیں ان کے بننے کا طریقہ بھی بہت سادہ ہے وہ تانے کے تاگوں کو زمین پر بچھا کر دونوں سرے مضبوط لکڑیوں سے باندھ دیتی ہیں اور بانے

استدراک:-

لہ Bancrofi, Native Races, N. York, 1874

لہ Carpet Weaving by H. T. Harris

لہ Thompson's The land and the Books. 1880

کے تاگے ہاتھ سے اُس کے اندر ڈال کر لکڑی کی موٹی بھدی کنگھی سے نیچے کو دبا دیتی ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاتا کہ سب سے پہلے کپڑا بننے کا فن کس نے ایجاد کیا۔ لیکن اگر قدیم یہودیوں کی روایات پر اعتبار کیا جائے تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ اس کو بھی ایک عورت نے جو "ٹیوبلکین" کی بہن تھی اور جس کا نام "نعامہ" تھا ایجاد کیا[1]۔ رہا یہ امر کہ قدیم ترین کرگہ یا راچھ کس وضع و صورت کا تھا، یہ معلوم کرنا مشکل ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ سب سے قدیم راچھ وہ ہے جو برٹش گائنا کی وحشی عورتوں کے پاس اب بھی پایا جاتا ہے یہ دو لکڑیوں سے بنایا جاتا ہے ایک لکڑی جھکا کر نصف دائرہ کی صورت میں بنائی جاتی ہے اور دوسری لکڑی سیدھی ہوتی ہے جس کے کنارے اس کمان کے کناروں سے باندھ دیئے جاتے ہیں[2]۔ بہرحال قدیم صورت جو بھی ہو اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ کاتنے اور بننے کی خدمت عورتوں ہی کے سپرد تھی اور انھوں نے اس فن میں بڑی ترقی کی جس کا ثبوت انجیل سے بھی ملتا ہے کہ

"گھر کے لوگوں کو کپڑا دیا کرنا عام طور سے عورت ہی کا کام تھا"[3]

نیز عہد سلیمان علیہ السلام میں عورت خصوصیت کے ساتھ اس کام کو

انجام دیتی :

Carpet Weaving Industry by H. T Harris — سلہ ۱

Mason's Wn's Share in Pr. Culture — سلہ ۲

Dictionary of the Bible and 1 Sam, ii, 19 — سلہ ۳

انجام دیتی تھی " امثال سلیمان علیہ السلام " میں لکھا ہو کہ

" وہ تکلے پر اپنا ہاتھ چلاتی ہو، اور اُس کے ہاتھ اٹیرن پکڑتے ہیں

وہ اپنے گھر آنے کے لئے سردی سے نہیں ڈرتی کیوں کہ اس کے

خاندان میں ہر ایک سُرخ لباس اوڑھے ہوئے ہو"[1]

مصر کے بالائی حصے میں بعض قدیم مقابر پر ایسی تصاویر دیکھی جاتی ہیں جن میں عورتیں تکلے پر اُون کات رہی ہیں اور ہاتھوں سے قالین بُن رہی ہیں۔ قدیم لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ فراعنۂ مصر کے محلات ایسے قالینوں سے آراستہ رہتے تھے اور " قلو پطرا " جس وقت قیصر کے پاس آئی ہے، وہ بہترین ملبوس سے آراستہ[2] تھی۔

" ہومر " نے اپنی مشہور رزمیہ[3] نظم میں اس وقت کی حالت بتائی ہو جب اولیسیس نے " اجاکس " کا تعاقب کیا ہو۔ ہومر اس تعاقب کو ایک استدراک:-

---

[1] انجیل مقدس۔ باب ۳۱۔ امثال سلیمان آیت ا۔ ۲۸

[2] Practical book of Oriental Rugs by Mr. G. Bose

[3]
As when some dapper girdled wife
Near to his bosom holdeth
The Spindle whence she draweth out
The rove beyond the silver
So near Ulysses kept and trod
The very prints of Ajax

خاص تشبیہ کے ساتھ ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"ادیسس" نے اجاکس کے نقوش قدم کا ایسا متصل تعاقب کیا
جیسے کوئی زریں کمر عورت اپنے سینہ سے اس چرخہ کو لپٹائے رہے
جس سے وہ نقرئی سُوت کاتتی ہے"۔

اس سے ثابت ہے کہ تقریباً ایک ہزار برس قبل مسیح جب کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ عورتوں میں سُوت کاتنے کا اتنا رواج تھا کہ شعراء اس سے تشبیہات اخذ کیا کرتے تھے۔

جزیرۂ بورنیو (Borneo) کی قدیم عورت بھی علاوہ انتظام زراعت کے گھر پر کپڑا بھی بنتی تھی۔ اس کپڑے کی بناوٹ میں کھجور کی پتیاں رنگ کر شامل کر دی جاتی تھیں جس سے کپڑے میں دیدہ زیب حُسن پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں کی عورتیں اپنے ہی ہات کا بنا ہوا کپڑا استعمال کرتی تھیں۔

ہالینڈ (Holland) کی عورتیں زمانۂ قدیم میں کپڑا بننے میں بہت مشاق تھیں اور لڑکی کو جو کپڑا جہیز میں دیا جاتا تھا، گھر ہی کا بنا ہوا ہوتا تھا۔

یُوگانڈا (Uganda) (مشرقی افریقہ) میں کسی وقت انجیر کی چھال کا کپڑا بنایا جاتا تھا۔ عورتیں چھال کو جدا کر کے اُسے مُوگریوں سے کوٹتی تھیں۔ یہ چھال کوٹنے سے پھیل کر باریک کاغذ کی طرح ہو جاتی تھی۔ اگر اس میں کوئی سوراخ ہو جاتا تھا تو اُسی کے ریشہ سے رفو کر دیتی تھیں۔ رفو کرنے کیلئے ہڈیوں کی سوئی استعمال کرتی تھیں[1]۔

---

[1] Women of all Nations اشتہار اکس

میسن[1] لکھتا ہے کہ

"زمانۂ قدیم میں میکسیکو کی عورتیں خرگوش کے بالوں سے بہت باریک کپڑے تیار کرتی تھیں علاوہ اس کے وہ روئی اور پر دونوں کو ملا کر کاتتی تھیں اور اس سے بھی نہایت نفیس کپڑے بنتی تھیں"

اس صنعت کے متعلق سب سے زیادہ حسین وہ کام ہے جو پروں سے بنا جاتا ہے اور اس کی قدامت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ شاہان پیرو کے سروں پر جو چھتریاں لگائی جاتی تھیں وہ پروں کی بنی ہوئی تھیں۔ جزیرہ ہوائی میں اب بھی لبادے گلے کے فیتے وغیرہ پروں سے بنائے جاتے ہیں اور یہ صنعت وہاں ہنوز زندہ ہے۔ مسٹر مرفی[2] کے بیان کے مطابق سب سے پہلے جس نے ایک عمودی راچھ یا کرگہ پر قمیص بنی وہ "طارکوئینس پرسکس" کی بیوی "تناکوئل" تھی جس کا زمانہ مسیح سے ۶۱۳ برس قبل تھا۔ اس صنعت کے تدریجی ارتقاء کی کوئی صحیح تاریخ مرتب نہیں کی جا سکتی۔ اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس صنعت کے مختلف شعبوں میں عورت کے کارنامے کیا ہیں اور اُن میں کن کن صورتوں سے اُس نے حسن پیدا کیا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ جب اس صنعت میں رنگینی کو دخل دیا گیا، تو وہ کوئی بالکل فطری پیداوار سے متعلق تھا، جس کا ثبوت موجودہ زمانہ کی وحشی عورتوں کے کارناموں سے ملتا ہے" اریڈنا"

استدراک:

[1] Mason's Wn's Share in Pr. Culture

[2] Textile Industries by W. S. Murphy.

(Arizona)[1] میں بعض درخت ایسے ہیں جن کی پتیاں دو مختلف رنگ رکھتی ہیں۔ وہاں کی عورتیں ان پتیوں سے مختلف قسم کے متنوع الالوان دسترخوان بناتی ہیں۔ کلیفورنیا کی عورتیں سیاہ رنگ ایک جنگلی پھلی کے عرق سے حاصل کرتی تھیں۔ اور سُرخ رنگ یو کا درخت کی جڑوں سے۔ ان سے وہ اوُن کو بھی رنگتی تھیں۔ اس کے علاوہ زرد سیاہ و سُرخ رنگ کیمیائی طریق سے بھی بناتی تھیں سیاہ رنگ "ساس" درخت کی چھال اور پتی کو جوش دیکر گیرو اور گوند ملانے سے حاصل کیا جاتا تھا۔ زرد رنگ کے لئے بھی ایک درخت تھا جس کی کونپلوں کے عرق میں پھٹکری ملا دینے سے لیموں کا سا رنگ تیار ہوتا تھا۔ سُرخ رنگ ایک اور درخت کی چھال سے نکالا جاتا تھا۔ جزیرۂ ہوائی میں بھی مختلف درختوں کی جڑیں، چھالیں اور پتیاں رنگسازی کے کام میں آتی تھیں اور زرد، سُرخ، سبز، سیاہ اور کئی قسم کے رنگ تیار ہوتے تھے[2]

اسی ضمن میں جال بنانے کا بھی مختصر سا ذکر ضروری ہے جس کا رواج نہ صرف زمانۂ قدیم میں پایا جاتا تھا۔ بلکہ اب بھی تمام وحشی اقوام میں دیکھا جاتا ہے سب سے پہلے وحشی عورت نے جال بنانے کی ابتدا اس طرح کی کہ غار کے قریب درختوں کی قطاروں میں انگور کی بیلیں لپیٹ دیں جن نے جال کی صورت اختیار

استدراک:-

---

[1] شمالی امریکہ میں ایک مقام کا نام ہے۔

[2] Bishop Brigham, Cat. Ms. Honalulu, 1892

کری۔ اس فن نے رفتہ رفتہ اسقدر ترقی حاصل کی کہ ٹوکریاں، مچھلی پکڑنے کے جال وغیرہ سب اسی ترکیب بنائے جانے لگے۔ اب بھی کلیفورنیا میں بہتی عورتیں جال کی ٹوکریاں نہایت نفیس نفیس طیار کرتی ہیں اور جزیرۂ سموا[1] (Samoa) کی عورتیں ایک درخت کی چھال سے ریشے نکال کر انکو بٹتی ہیں اور پھر اُس کے جال تیار کرتی ہیں[2]۔ ہندوستان میں بہت سی قومیں ایسی ہیں جن کی عورتیں اب بھی چھینکے وغیرہ جال کی صورت میں تیار کرتی ہیں اور شہروں میں لاکر فروخت کرتی ہیں۔

الغرض عورت کی زندگی زمانۂ قدیم سے ضروریات خانہ داری کی بہم رسانی کے لئے وقف رہی ہے اور چونکہ ملبوس وغیرہ طیار کرنا بھی گھر کے انتظام سے جدا کوئی چیز نہ سمجھا جاتا تھا اسلئے عورت نے اس طرف بھی توجہ کی اور ایسی کامیاب توجہ کہ آج بھی جدید تہذیب اس صنعت کے لحاظ سے اس کی ممنون ہے

استدراک:-

[1] نام جزیرہ مابین شمالی امریکہ و آسٹریلیا۔

[2] Turner, Samoa, London, 1884

تیسری فصل

چرم سازی اور عورت

اس زمانہ میں جس چیز کو ہم چرم یا چمڑا کہتے ہیں وہ اک چیز ہے جس میں خدا جانے کتنی صنعتیں صرف ہو چکتی ہیں جب ہم اُسے اس ایک لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس وقت سے کہ کھال جانور کے جسم سے علیحدہ ہوتی ہے اُس وقت تک کہ وہ قابل استعمال ہوتی ہے کسی نہ کسی صنعت کا عمل اس پر ہر وقت ہوتا رہا ہے۔

بھیڑ، بکری، گھوڑا، کتا، گائے، بیل اور ان کے علاوہ بہت سے جانوروں کی کھالیں قصاب اور شکاری جمع کرتے ہیں اور کھال بنانیوالوں کے پاس (جو اکثر مرد ہوتے ہیں) بھیج دیتے ہیں، پھر وہاں سے زین بنانیوالوں جوتہ تیار کرنے والوں اور جلد سازوں وغیرہ کے پاس، وہاں سے تاجروں کے پاس اور پھر وہاں سے دنیا کی ساری آبادی کے پاس مختلف اشیاء کی صورتوں میں پہونچتی رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کھالوں کو رنگنے اور پکانے کی صنعت زمانۂ حال کی ہے یا زمانۂ قدیم کی۔ یقیناً ہمارے پاس صحیح معنی میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ ہم زمانۂ قدیم کی عورت سے اس صنعت کو یکسر منسوب کر سکیں، لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ جانوروں کی کھالوں کو مختلف طریقے سے کام میں لاتی تھی اور اُن کو قابل استعمال بنانے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتی تھی۔

پانی کے اندر، زمین کے اوپر، فضائے ہوا میں کوئی جانور ایسا نہ تھا کہ عورت کا ہاتھ اس تک پہونچا ہو اور اُس کی کھال کا کوئی نہ کوئی مصرف قرار نہ دیا ہو بلّی، بھیڑیا، لومڑی، بکری، بھیڑ، بیل، بھینس، ہرن، ریچھ، خرگوش، گلہری مچھلی، گھڑیال، کچھوا، اور تمام طیور ان سب کی کھالوں کو عورت بناتی تھی اور کسی نہ کسی کام میں لاتی تھی۔ باریک کھال رکھنے والے جانوروں کے بال اور چمڑے زیادہ تر زیبائش و آرائش کے کام آتے تھے یا اُن کی پتلی پتلی پٹیاں کاٹ کے بننے کے مصرف میں لائے جاتے تھے اور دبیز کھالوں کو عورت جوتہ، ملبوس، خیمے وغیرہ کی تیاری میں صرف کرتی تھی۔

اسکیمو کی عورتیں، چڑیوں کی کھالوں کو سی کر کرتی کی قسم کا ایک ملبوس تیار کرتی تھیں اور جب اُسے پہنتی تھیں تو بال دار حصہ اپنے جسم کی طرف رکھتی تھیں ان کے ہاں کھالوں کو قابل استعمال بنانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ وہ کھال کی اُلٹی سمت کو دانتوں سے خوب چباتی تھیں اور تانت یا اعصاب کے ریشوں سے اُن کھالوں کو اس طرح سی لیتی تھیں، جیسے ٹاٹ کی پٹیاں ایک دوسرے سے ملا کر سی جاتی ہیں اور جس وقت یہ ملبوس تیار ہو جاتا تھا تو کوئی شخص تمیز نہ کر سکتا کہ سلائی کہاں کہاں ہے۔ گلہری کی کھالوں کو بھی وہ اسی طرح سی کر اور درست کر کے ملبوس بناتی تھیں۔ اس طریقہ سے کھال درست کرنے کو صرف خشک کرنا کہہ سکتے ہیں اور یہ طریقہ حقیقتاً بہت قدیم ہے۔

دوسرا طریق جس سے بڑے بڑے جانوروں کی کھالیں قابل استعمال بنائی جاتی تھیں بہت سادہ تھا اور تمام وحشی قومیں اس سے آگاہ تھیں اس کو ہم

سمور سازی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ چمڑے کے بال بدستور قائم رکھے جاتے تھے اور پھر ان کا ملبوس تیار کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے جانوروں کا چمڑا علیحدہ کرنے کے بعد عورتیں کھال کے اندرونی حصہ کو بڑی حد تک نکال ڈالتی تھیں اور بیرونی حصہ کو معہ بال کے قائم رکھتی تھیں۔ وہ اس عمل کو ایسی ہوشیاری سے انجام دیتی تھیں کہ چمڑا کسی جگہ نہ کٹتا تھا اور کمل کی طرح ہموار سمور شکل آتا تھا۔ اس عمل کے لئے مختلف ممالک میں مختلف اوزار مستعمل تھے اسکیمو کی عورتیں چربی دور کرنے کے لئے ایک خاص اوزار استعمال کرتی تھیں جو سینگ یا ہڈی کا ہوتا تھا اور چمڑا چھیلنے کے لئے پتھر کے اوزار سے کام لیتی تھیں۔ امریکہ کی وحشی عورتیں گوشت اور چربی کے حصوں کو کاٹ کر چمڑے کے اندرونی حصہ کو کھرپی سے چھیل دیتی تھیں۔ اس کام کیلئے ان کے پاس تین اوزار تھے، ایک چاقو گوشت کاٹنے کے لئے دوسرے کھرپی کھال صاف کرنے کے لئے اور تیسرے ایک دندانہ دار آلہ جس سے وہ کھال کی اندرونی سطح کو کھردری کر کے چمڑے کو نرم اور لچیلا بناتی تھیں۔ علاوہ ان اوزاروں کے اسکیمو اور امریکہ کی عورتیں ہاتھ پاؤں اور دانتوں سے بھی مدد لیتی تھیں۔ ملبوس کی غرض سے بڑی بڑی کھالوں کے درست کرنے کا عام طریق یہ تھا کہ پہلے انہیں دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اور اس پر اندرونی حصہ پر تیل کی طرح مل دیا جاتا تھا۔ خشک ہونے کے بعد پھر صاف کی جاتی تھی۔ دوسرا طریق یہ تھا کہ جب چمڑا خشک ہو جاتا تھا اس کے بال کو صاف کر دیتی تھیں۔ اسکیمو کی عورتیں اس کھال سے [illegible]

منڈھتی تھیں اور سوائے ملبوس بنانے کے اور بھی بہت سے کاموں میں لاتی تھیں۔

چمڑہ بنانے کی صنعت میں سب سے زیادہ مشکل کام سابر کی قسم کا چمڑہ تیار کرنا ہے۔ سرد ممالک میں یہ صنعت رائج نہیں ہوئی۔ البتہ گرم ممالک میں وحشی عورتوں نے طیار کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئیں۔ اس صنعت میں سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ کھال کے بالوں کو علیحدہ کر دیا جائے چرم سازی کے پرانے کارخانوں میں اس کے لئے دو طریقے جاری تھے ایک یہ کہ بے بجھا ہوا چونا چمڑے پر مل دیا جاتا تھا جو بالوں کو گرا دیتا تھا اور دوسرا یہ کہ کھال کو گرم کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ اچھی طرح پسیج جاتی تھی اور مسامات کھل کر بال آسانی سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کارخانوں نے طریق ثانی وحشی عورتوں سے سیکھا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی بالوں کو چمڑے سے اسی طریقے سے جدا کیا کرتی تھیں۔ الاسکا کی عورتیں جنگلی بکروں کی کھالوں کے بال اسی طرح جدا کرکے اُن کا کمل بناتی تھیں جب کھال پوری طرح پسیج جاتی ہے تو بال اکھاڑنے کے لئے کسی اوزار کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف ہاتھوں کی مدد سے بہت جلد جدا ہو جاتے ہیں۔

"گرین لینڈ" کی تاریخ میں مسٹر گرینڈ نے لکھا ہے کہ اسکیمو کی عورت سیل مچھلی کے بال دار کھال کا ملبوس طیار کرنے کے لئے پہلے اسے چوبیس گھنٹے تک پیشاب کے برتن میں ڈال رکھتی ہے۔ اس سے کھال کی چربی

صاف ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ خشک ہونے کے لئے پھیلا دی جاتی ہے۔ اور پھر سوکھنے کے بعد دوبارہ پیشاب چھڑک کر پھر سے رگڑی جاتی ہے اور ہاتھوں سے مل کر نرم کر دی جاتی ہے۔ جس حصہ کا چمڑا زیادہ دبیز ہوتا ہے وہ مسلسل تین دن تک پیشاب کے برتن میں رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد چاقو یا دانت سے بال علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں اور پھر تین دن تک پانی میں رکھنے کے بعد خشک ہونے کے لئے پھیلا دیا جاتا ہے اس طریق سے وہ چمڑا طیار کیا جاتا ہے جو ملبوس کے اوپر بطور برساتی کے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اندر سے پانی نفوذ کر کے جسم کے کپڑوں تک نہیں پہونچ سکتا۔

کشتی منڈھنے کے لئے بڑی بڑی سیل مچھلی کی کھالیں اس طرح تیار کی جاتی ہیں کہ کھال کو بغیر چربی جدا کئے ہوئے لپیٹ دیتی ہیں اور اس کو خوب کچلتی ہیں اس کے بعد گھاس ڈال کر دھوپ میں ہفتوں تک خشک ہونے کے لئے ڈال دی جاتی ہیں۔ جب اس طرح بال الگ ہو جاتے ہیں تو نمک کے پانی میں چند روز تک رکھ کر خشک کر لیتی ہیں۔ اور کھال کے کناروں کو دانتوں سے کھینچ کھینچ کر سیتی ہیں۔ اور سیون کی جگہ چربی وغیرہ اچھی طرح مل دیتی ہیں تاکہ پانی اندر نہ جا سکے۔ جو چمڑا بچ رہتا ہے اُسے چھیل کر پتلا کر لیتی ہیں اور برف پر رکھ دیتی ہیں۔ اس سے چمڑا سپید ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ اُسے سُرخ رنگنا چاہتی ہیں تو پیچ صنوبر کی چھال اور اس چمڑے کو ملا کر چباتی ہیں۔

مسٹر ہال کا بیان ہے کہ

"کھال بنانے کے لئے سب سے پہلے جو ترکیب عمل میں لائی جاتی تھی
یہ تھی کہ اک اوزار سے جو سہ دستہ کے ۲ انچ لانبا ہوتا تھا کھال کو
عورتیں چھیلتی تھیں، اس کے بعد جب کھال خشک ہوجاتی تھی تو
پھر چھیلتی تھیں۔ اس کے بعد چباتی تھیں اور پھر آخری مرتبہ چھیل کر
صاف کرلیتی تھیں اس طریق سے کھال سابر کی طرح نرم ہوجاتی تھی"

"وکملین" کہتا ہے کہ

"کمبرلینڈ میں سیل مچھلی کی کھال سے پہلے چربی علیحدہ کرلی جاتی تھی
اس کے بعد عورت کھال کو پھیلا کر چاقو سے نیچے کی جھلی دور کردیتی
تھی اور پھر کھال کو برف میں ڈال کر پاؤں سے کچلتی تھی۔ جب وہ
اچھی طرح دُھل جاتی، اور دُھوپ تیز ہوتی تو اندرونی سطح اوپر کی
جانب کرکے پھیلا دی جاتی تھی۔ اگر دُھوپ نہ ہوتی تو جھونپڑے
کے اندر بالنسوں پر اسکو پھیلا کر نیچے چراغ روشن کردیتی تھی"

ڈاکٹر فرانز بوس لکھتے ہیں کہ

"وسط اسکیمو میں سیل مچھلی کی کھال مختلف طریقوں سے تیار کی جاتی
تھی مچھلی کا پیٹ ایک چاقو سے چاک کرکے کھال کھینچ لی جاتی تھی
اور عورت کھال کو اپنے سامنے پھیلا کر ہاتھ میں چاقو لے کر گھٹنوں کے
بل کھڑی ہوجاتی تھی اور چربی چھیل چھیل کر برتن میں رکھتی جاتی تھی
جتنے حصے کی چربی صاف ہوتی جاتی تھی۔ اس کو لپیٹ کرجاتیں

ہاتھ میں سمیٹتی جاتی تھی، اگر کھال کے بالوں کو دور کرنا مقصود نہ ہوتا تو چربی کے ساتھ ساتھ کھال کی اندرونی تہ بھی چاقو سے دور کر دی جاتی تھی۔ اس عمل کے بعد کھال کو کھونٹیوں یا میخوں سے باندھ کر برف کی سطح سے ۶۔ انچ اوپر تان دیتی تھی اور برف سے مل مل کر دھوتی تھی۔ اگر کھال میں نیزے کا کوئی نشان یا سوراخ ہوتا تو اسے سی دیتی اور کھال کو خشک کر لیتی تھی۔ شروع موسم بہار میں جب سردی زیادہ ہوتی تو صرف چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی کھالیں تیار کی جاتیں۔ کیوں کہ اس کے لیے دھوپ اور گرمی کی زیادہ ضرورت تھی تاہم اگر ضرورت شدید ہوتی تو عورتیں چار بانسوں کا ایک ڈھانچہ تیار کر کے کھال کو اس پر تان دیتیں اور نیچے آگ روشن کر کے کھال کو خشک کر لیتیں بڑی مچھلیوں کی کھالیں خیمے، تھیلا وغیرہ بنانے کے کام آتی تھیں اور چھوٹی کھالیں ملبوس کے"

امریکہ کی قدیم عورتوں کے لئے سخت محنت کا زمانہ وہ ہوتا تھا جب جنگلی بھینسوں کے شکار کرنے کا وقت شروع ہو جاتا۔ کیوں کہ بھینسوں کی کھال جلد خراب ہو جاتی ہے اور فوراً اس کو بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد صرف اسی قدر شکار کرتے تھے جس قدر کھالیں عورتیں تیار کر سکتی تھیں۔ شکار کے بعد ہی عورت فوراً کھال کھینچ لیتی اور گوشت کو ہڈیوں سے علیحدہ کر کے چمڑے میں لپیٹ کر جھونپڑے کی طرف چل دیتی۔ شام کو جب مرد شکار

سے لوٹتے تو چربی وغیرہ بھون کر ان کے سامنے رکھی جاتی جو نہایت نفیس غذا سمجھی جاتی تھی۔ دن بھر یہ عورتیں کھالوں کو صاف کرکے خشک ہونے کے لئے پھیلا چکتی تھیں اور اس سے مختلف چیزیں بناتی تھیں۔ دبیز حصے کا چمڑا ڈھال بنانے کے لئے منتخب ہوتا تھا، بالوں کے کمل بُنتے تھے اور گیلی کھال کے ٹکڑے کرکے اور دوسری چیزیں تیار کی جاتی تھیں، جن کی ان کو ضرورت ہوتی۔ گیلی کھال سے بنانے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کی ایک صورت آسانی سے قائم ہو جاتی تھی اور خشک ہونے کے بعد جب چمڑا سخت ہو جاتا تو وہی صورت جو گیلے ہونے کی حالت میں بنائی گئی تھی مضبوط و مستحکم ہو جاتی۔ ملبوس بنانے کے لئے عورتوں کو زیادہ محنت سے کام لینا پڑتا تھا جب کھال خشک اور سخت ہو جاتی تھی تو ایک آلہ سے وہ کھال کی اندرونی سطح کو چھیلتی تھیں اور چھیلنے کے بعد چربی اور بھیجا ملا کر اس پر ملتی تھیں تاکہ چمڑا نرم ہو جائے اور ملبوس آسانی سے تیار ہو سکے۔

خیمہ طیار کرنے کے لئے چمڑے کے بال بھی الگ کر دیئے جاتے تھے اور اس کی دبازت بھی کم کر دی جاتی تھی تاکہ چمڑا زیادہ نرم ہو جائے۔ ”پٹا گونیا“ کی عورتیں زیادہ انتظام خانہ داری کے لومڑی اور شترمرغ کی کھالوں کے سمور بھی تیار کرتی تھیں خیمہ بنانا بھی ان کا فرض تھا اور سفر کے وقت گھوڑوں پر خیمے اور اسباب کا بار کرنا بھی ان ہی کے سپرد تھا۔ ان کے خیمے بالکل چرمی ہوتے تھے جو بانسوں پر تان دیئے جاتے تھے۔

وحشی عورتوں اور علی الخصوص شمالی امریکہ کی عورتوں میں خیاطی کی بھی اہلیت پائی جاتی تھی۔ اگر جنوبی امریکہ کی عورتیں بالوں سے صرف کمل تیار کر سکتی تھیں تو یہاں کی عورتیں کھالوں کو چاقو سے کاٹ کر ان کا ملبوس بھی سیتی تھیں ان کے سینے کا طریق یہ تھا کہ وہ چمڑے کے کنارے پر سوراخ کر کے اسی چمڑے کے فیتے پرو پرو کر کناروں کو ملاتی تھیں یہاں تک کہ سارا لباس سِل جاتا تھا وہ سیتے وقت اُن میں پر، دانت، ہڈیاں، بالوں کے گچھے وغیرہ بھی اٹکاتی جاتی تھیں جن سے ایک خاص قسم کا وحشی حُسن ملبوس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ چمڑے پر مختلف قسم کے کام بنا کر اُن کے جوتے اپنے مردوں اور بچوں کے لئے تیار کرتی تھیں۔ اسکیمو میں بھی عورتیں جوتا بناتی تھیں۔ لیکن چمڑا کھینچنے یا تاننے کے لئے اُن کے پاس کوئی شکنجہ یا سنسی نہیں ہوتی تھی، بلکہ صرف اپنے دانتوں سے کام لیتی تھیں۔

مسٹر مرڈوک نے اسکیمو کی عورتوں کا انداز ملبوس بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنا لباس کس طرح قطع کرتی تھیں۔

"پہلے عورتیں بہت سے ٹکڑے الگ الگ کاٹ لیتی تھیں اور پھر سینہ، شانہ، کلائی وغیرہ پر رکھ کر ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ جوڑتی تھیں۔ وہ اپنے لباس کے لئے بالوں کی جھالریں اور رنگین سمور بھی استعمال کرتی تھیں جس سے ملبوس فی الجملہ بہت خوشنما نظر آتا تھا۔

خلیج ہڈسن کے مغرب میں جو قومیں آباد ہیں اُن کی عورتوں کی نسبت مسٹر ہرن لکھتے ہیں کہ

"وہ اپنے شوہروں کے لئے چمڑے کے تسموں پر خارپشت (سیہی) کے کانٹوں کا کنگن اور سربند تیار کرتی تھیں۔ علاوہ اس کے چرمی تھیلیاں، سفری تھیلے اور صندوق بھی عورتیں ہی بناتی تھیں تھیلیوں کے لئے ہرنوں کا نرم چمڑا کام میں لایا جاتا تھا اور بڑے بڑے بکسوں کے لئے کچا چمڑا جو لکڑی کی طرح سخت ہو جاتا تھا وہ ان بکسوں کو سبز رنگتی تھیں اور ان پر سرخ دھاریاں بھی ڈال دیتی تھیں"

اگانڈا (مشرقی افریقہ) کی حبشی عورتیں نہایت نفیس و نرم چمڑا تیار کرتی تھیں اور اُن میں صحرائی برگ و بار کی مدد سے مختلف رنگ بھی پیدا کرتی تھیں اس چمڑے کا ملبوس عام طور سے استعمال کیا جاتا اور یہاں کی عورتوں کو اپنی صنعت پر بڑا ناز تھا۔ اب بھی یہ صنعت یہاں کی عورتوں میں زندہ ہے لیکن بہت مضمحل انداز سے [1]۔

وحشی قوموں کی عورتوں میں اب بھی زمانہ قدیم کے بہت فنون رائج ہیں لیکن بہت کم اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مردوں نے ان فنون کو حاصل کر کے ان کی صورتیں بدل دی ہیں۔ جہاں پہلے چرمی خیمے نظر آتے تھے وہاں اب اینٹ پتھر کے

استعمال ہوتے ہیں۔

Women of all Nations

مکانات ہیں۔ جہاں پہلے بستر، صندوق وغیرہ چمڑے کے بنائے جاتے تھے اب وہاں لوہے اور لکڑی کے۔ پہلے عورتیں اپنے اپنے خیموں میں خاموشی کے ساتھ یہ کام کرتی رہتی تھیں اب وہ مردوں کے زیر اثر بڑے بڑے کارخانوں میں مصروف نظر آتی ہیں تاہم اب بھی نازک اور نرم کام عورتوں سے ہی انجام پاتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اگر وہ پہلے صحرائی جانوروں کے سمور اور اُنکے بالوں پر اپنی صنعت صرف کیا کرتی تھیں تو اب ریشم کے کیڑوں اور پالے ہوئے جانوروں کے نرم اُون پر صرف کرتی ہیں۔ دستانے بنانے کا کام اب بھی مہذب ممالک میں عورتوں کے ہی سپرد ہے زمانۂ قدیم کے بعد جو دورِ تہذیب و شائستگی کا آیا اُس میں سمور کا استعمال ترک ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ زمانہ ماضی کے واقعات ہمیشہ دہرایا جاتا رہتا ہے اور پرانی چیزوں میں از سر نو جان ڈالنا۔ اسکی روایت دیرینہ ہے۔ اس لئے تعجب نہ کرنا چاہئے اگر زمانۂ قدیم کی عورتوں کی صنعت سمور سازی پھر سے بہار پر نظر آئے۔ دیکھا جاتا ہے کہ مغرب میں ابھی تک سیل مچھلی کا سمور مہذب عورتوں کی پشت پر ڈالنے کے لئے تلاش کیا جا رہا ہے اور ٹوپیوں کو رنگین و خوشنما پروں سے آراستہ کرنے کے لئے ہزاروں لاکھوں خوبصورت چھوٹے پرندے اسی سے ہلاک ہوتے ہیں لیکن ان کی تیاری اب عصر حاضر کی صناعتِ انسانی اس سے زیادہ اور کوئی ترقی نہیں کر سکی کہ اُس نے اوزاروں کی صورتیں بدل دی ہیں اور وقت میں کچھ وسعت پیدا کر دی ہے کہ پہلے جس چیز کو عورتیں چند دنوں میں بنا لیتی تھیں اب وہ چند گھنٹوں میں تیار ہو جاتی ہیں۔

چوتھی فصل

فن ظروف سازی اور عورت

فن ظروف سازی کے متعلق عورت نے جو ترقیاں کی ہیں وہ بہت اہم ہیں نہ صرف اس لحاظ سے کہ اس کا تعلق ترقی و تمدن سے بہت قریب کا تعلق ہے بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ وہ حقیقتاً ازبس کارآمد ثابت ہوا۔ یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ظروف سازی کے متعلق عورت نے اس وقت تک توجہ نہیں کی جب تک غذا کو اُبال کر کھانے پکانے کا رواج زمانۂ قدیم میں رائج نہیں ہو گیا

ظروف سازی کی تاریخ قدیم صحت و تکمیل کے ساتھ مرتب نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس فن کی ابتدا اسی وقت ہو گئی تھی جب اقوام عالم بالکل وحشیانہ زندگی بسر کر رہی تھیں اور فن تاریخ کی بنیاد قائم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس فن کی تاریخ قدیم کے متعلق ہم کو جو معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، ان کا ذریعہ زیادہ تر موجودہ وحشی اقوام کے حالات ہیں اور اُنھیں کو دیکھ کر ہم زمانۂ قدیم کی ظروف سازی کے متعلق قیاسات سے کام لے سکتے ہیں۔ مختلف ممالک میں جو برتن زمانۂ قدیم کے زمین سے برآمد ہوئے ہیں اُن سے بھی اہم انکشافات ہوتے ہیں۔

دنیا میں اب بھی بہت سی قومیں ایسی ہیں جن میں یہ فن ابتک اپنی قدیم صورت میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے اسکیمو کی قوم قابل ذکر ہے یہاں کی عورتیں چونکہ بہت سرد ملک میں رہتی ہیں اس لئے وہ لکڑی اور

کوئلہ کا استعمال بہت کم جانتی ہیں۔ اور کھانا صرف چراغ کی مدد سے تیار کرتی ہیں۔ گرین لینڈ[1]، لیبریڈر[2]، اور سواحل الاسکا[3] جو وحشی قومیں آباد ہیں، اُن کی عورتیں بھی اسی طرح کھانا پکاتی ہیں اور اس غرض کے لئے وہ سوپ اسٹون کی رکابیاں بناتی ہیں، جن کا کنارہ ایک طرف اٹھا ہوتا ہے ان رکابیوں میں وہ سیل مچھلی کی چربی ڈال دیتی ہیں اور درختوں کے ریشوں کی بتی بنا کر روشن کر دیتی ہیں جب یہ چراغ یا چولھا روشن ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے اوپر کھانے کا برتن جو خود ایک بڑی رکابی کی صورت رکھتا ہے غذا تیار کرنے کے لئے اوپر معلق لٹکا دیتی ہیں۔ اس چراغ سے اتنی گرمی پیدا ہوتی ہے کہ کھانا پک جاتا ہے اور اسی کے ساتھ خیمہ یا جھونپڑا بھی منور رہتا ہے خلیج برٹل[4] کے آباد حصہ کی عورتیں سوپ اسٹون کے برتن یا چولھے نہیں بناتیں، بلکہ مٹی کے تیار کرتی ہیں اور ان میں بنانے کے وقت کتے کا خون اور کتے کے بال ملا دیتی ہیں۔ ان برتنوں کی صورت اسکیمو کے برتنوں سے کچھ مختلف ہوتی ہے ان میں کچھ عمق ہوتا ہے اور پیالوں کی سی شکل ہوتی ہے۔ ان کی ساخت بالکل وہی ہے جو نہایت قدیم زمانہ میں یونان کے دارالسلطنت ایتھنز میں رائج تھی اور روما کے معبد وستا[5] میں بھی اسی ساخت کے برتن استعمال ہوئے۔

---

[1] Greenland شمالی امریکہ میں شمال مشرق کے کونہ پر ایک بڑا جزیرہ [2] (Labrador) شمالی امریکہ کا ایک ساحلی مقام [3] Alaska۔ شمالی امریکہ میں جنوب مغرب کے کونہ پر جزیرہ نما۔

[5] [illegible] Ninth An. Report. Bur. Ethnd.

پائے جاتے تھے[1]

میکزیکو، اریزونا، جنوبی امریکہ، افریقہ، نیو گالنا میں بھی وحشی عورتیں اب تک زمانۂ قدیم کے برتنوں کی ساخت پر ظروف تیار کرتی ہیں شمالی امریکہ کے جنوب و مغربی حصہ میں عورتیں زمانۂ قدیم سے ظروف سازی کی صنعت نہایت کامیابی کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کے موجودہ طریقے اور اوزار ظروف سازی کے وہی ہیں جو ایک ہزار سال قبل پائے جاتے تھے۔ یہاں کی عورتیں مٹی کے برتن بناتی ہیں۔ مٹی یا تو وہ اُن مقامات سے کھود کر لاتی ہیں جہاں چکنی مٹی معدن کے اندر تہ بہ تہ صورت میں پائی جاتی ہے یا پھر اُن مقامات سے جہاں دریا اپنی رفتار کو بدل کر نفیس گیلی مٹی ان فطری صناعوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ یہ مٹی صاف نہیں ہوتی، اس میں کنکر پتھر بھی ملے ہوتے ہیں۔ اس کو صاف یا باریک کرنے کے لئے اُس کے پاس چھلنی ہوتی نہ تھی اسلئے وہ مٹی کو پانی سے دھو دھو کر کنکر وغیرہ علیحدہ کرتی ہے اور جو صاف اجزاء مٹی کے تہ نشین ہو جاتے ہیں ان کو الگ کرتی ہے اور پھر اُن کے برتن تیار کرتی ہے۔ اول اول وحشی عورتوں کو اس مٹی کے برتن تیار کرنے میں بڑی زحمت ہوئی۔ کیونکہ وہ خشک ہونے کے بعد پھٹ جاتے تھے لیکن کچھ زمانہ کے بعد عورت کی فطری ذہانت نے اس نقص کو دور کیا اور ریت وغیرہ ملاکر برتن بنائے جانے لگے[2]۔ قدیم زمانہ کے جو ٹکڑے برتنوں کے دستیاب ہوئے

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in P. Culture

[2] Wn's Share in Pr. Culture

ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ ان میں ریت، کوڑیوں اور سیپیوں کا سفوف اور ٹوٹے ہوئے برتنوں کے پسے ہوئے اجزا ملے ہوئے ہیں جب یہ عورتیں مٹی کو ڈھوتی ہیں تو موٹے اجزا کو بھی محفوظ رکھتی جاتی ہیں اور ان کے بھدے برتن تیار ہوتے ہیں۔ باریک مٹی کے برتن زیادہ نازک اور نفیس ہوتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں برتن بنانے کے لئے چاک نہ تھا۔ بلکہ صرف ہاتھ کی مدد سے عورتیں برتن بناتی تھیں اور صرف اُن کی نگاہ اُن میں حُسن و تناسب پیدا کرتی تھی۔ ایک طریقہ برتن بنانے کا تو بالکل ویسا ہی تھا جیسا اب بھی بچے مٹی کے برتن وغیرہ بنا کر کھیلا کرتے ہیں۔ دوسرا طریق یہ تھا اور اب بھی رائج ہے کہ کسی چیز کے اوپر یا اس کے اندر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی تھی اور اسطرح اسکی ایک شکل پیدا ہو جاتی تھی۔ اس امر کا ثبوت کہ زمانہ قدیم میں کدو، ٹوکری وغیرہ کے اوپر مٹی تھوپ کر برتن طیار کئے جاتے تھے نہ صرف برتنوں کی ساخت سے ملتا ہو بلکہ اُن نشانات سے بھی جو برتنوں پر پائے گئے۔ یہ نشانات اکثر ٹوکریوں کی بناوٹ کے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ برتن ٹوکریوں پر تیار کئے گئے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہو کہ ٹوکریاں بنانا ظروف سازی سے قبل کی ایجاد ہو۔ آثار قدیمہ کے علما نے انھیں برتنوں کی مدد سے زمانہ قدیم کے پھندے ڈالنے کی صورتیں، جال بنانے کے انداز ٹوکریاں بننے کے مختلف نمونے دریافت کئے،

برتن بنانے کا ایک طریقہ اور بھی تھا جو بہت زیادہ دلچسپ ہو۔ [illegible]

استدراک: ملے Holmes Fourth An report

عورتیں گیلی مٹی کی موٹی موٹی لڑیں سویوں کی طرح بناتی تھیں اور کسی ٹوکری کے اندر یا باہر، ان لڑوں کو ایک کے اوپر ایک جماتی جاتی تھیں۔ جہاں ایک لڑ دوسری لڑ سے ملتی تھی وہاں چٹکی سے دبا دیتی تھیں تاکہ دونوں اچھی طرح مل جائیں۔ ہرچند خشک ہونے کے بعد پتھر یا کسی دوسری سخت چیز سے رگڑ کر چٹکیوں اور انگلیوں کے نشانات مٹا دیے جاتے تھے۔ پھر بھی بہت برتن زمانۂ قدیم کے ایسے دستیاب ہوئے ہیں جن میں یہ نشانات پائے جاتے ہیں۔ پاپوا کی عورتیں برتن بنانے میں ان تینوں طریقوں سے مدد لیتی ہیں یعنی وہ ایک برتن کو مٹی کی لڑوں سے شروع کرتی ہیں اور پھر دوسرے برتن پر تھوپ کر کچھ حصہ صرف ہاتھ کی مدد سے تیار کرتی ہیں۔ ان تینوں طریقوں کے استعمال میں کوئی ترتیب اُن کے یہاں ملحوظ نہیں ہے۔ کسی ایک طریق سے شروع کر کے وہ اُس کو دوسرے یا تیسرے طریق سے انجام تک پہونچا دیتی ہیں۔ پوبلو کی عورتیں جس طرح برتن بناتی ہیں اُس کا حال[1] مسٹر کشنگ نے کئی سال تک ان کے درمیان رہ کر معلوم کیا ہے۔ رکابیاں اور پیالے بنانا چنداں دشوار نہیں ہے لیکن وہاں کی عورتیں پانی رکھنے کے لئے ایک ظرف بوتل کی صورت کا تیار کرتی ہیں جو زیادہ تعجب انگیز ہے۔ اگر برتن کا منہ بہ نسبت درمیانی حصے کے زیادہ چوڑا ہو تو وہ ڈھانچے کے اندر سے آسانی سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اگر برتن کی گردن پتلی ہو تو نکلنا دشوار ہے۔ اس کے متعلق مسٹر کشنگ لکھتے ہیں کہ

---

[1] اسٹڈ اکس Fourth An. report by Mr. Cushing

"برتنوں کی گردن بنانے کے لئے ہاتھ سے کام لینا ممکن نہیں کیونکہ
ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب
برتن کی بیرونی سطح کو وہ چکنا کرتی ہیں تو اوپر کے حصہ کو پچکا دیتی
ہیں جس سے گردن کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک عورت نے
میرے سامنے ایک برتن اس قسم کا تیار کیا۔ اس نے جب برتن
کی دیوار پوری تیار کرلی تو اندر سے پھونک کر کہ دیکھنے کے آگے
سے پچکا دیا۔ اور اس طرح اس کی گردن بہ نسبت منہ کے تنگ ہو گئی
جب برتن خشک ہو گیا تو وہ تقریباً ایک انچ سکڑ گیا اور ٹوکری یا پانی
سے الگ ہو گئی"۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت برتن بنانے کے لئے زمانۂ قدیم میں
کتنی محنت اختیار کرتی تھی۔ مٹی کو زمین سے کھودنا، گھلانا، دھونا، صاف
کرنا، اٹھا نیچے پر اس کو گوندھنا، لڑیں بنا کر تہ بہ تہ چڑھانا، خشک کرنا، اور رگڑ کر
چکنا بنانا۔ یہ سب وہ کام تھے جو برتن بنانے کے لئے ضروری تھے اور تنہا
عورت ان سب کو انجام دیتی تھی۔ پھر اس کی خدمت اسی پر ختم نہ ہو جاتی تھی،
بلکہ اسے برتنوں کو رنگنا بھی پڑتا تھا، ظروف کو رنگین بنانے کے لئے
وہ مختلف رنگ کی مٹیوں اور درخت کی چھالوں کے عرق سے کام لیتی تھی۔
ڈومنٹ[1] نے ڈیڑھ صدی قبل مسی سپی[2] کی عورتوں کا حال لکھا ہے کہ

---

[1] ایضاً ایضاً ۔ Batel, Dumont, Mem. Sur. la Loismia

[2] شمالی امریکہ کا ایک مشہور دریا اور شہر (Missipt)

وہ مٹی جمع کرکے اُسے صاف کرتی ہیں۔ کوڑیاں وغیرہ باریک پیس کر اُس میں ملا دیتی ہیں اور پانی سے مٹی گوندھ کر چھ چھ فٹ کی لڑیاں بناتی ہیں۔ رکابیاں بنانے کے لیے وہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے لڑی کا ایک کونہ دبا کر مرکز قایم کرلیتی ہیں اور اُس کے گرد لڑیوں کو جلدی جلدی لپیٹتی جاتی ہیں۔ اور داہنے ہاتھ کو تر کرکے اندرونی اور بیرونی سطح برابر کرتی جاتی ہیں۔ یہ عورتیں پیالے، رکابیاں گھڑے، صراحیاں، سب اسی طریقے سے تیار کرتی ہیں۔ جب برتن خشک ہو جاتے ہیں، تو کوئلہ، بھوسہ، یا جنگلی جانوروں کے خشک گوبر کی مدد سے ان کو پکا لیتی ہیں۔

نکوبار[1] کی وحشی عورتیں بھی مٹی اسی طرح تیار کرتی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا لیکن برتن تیار کرنے میں کچھ اختلاف ہے۔ یہاں کی عورتیں پہلے ناریل کی پتیوں کا ایک حلقہ بناتی ہیں اور اسپر برتن تیار کرتی ہیں جب برتن خشک ہو جاتا ہے تو حلقے سے الگ کرکے بانس کے ٹکڑوں سے ہموار کر دیتی ہیں۔ ان کے یہاں برتن پکانے کا طریق یہ ہے کہ پہلے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے زمین میں گاڑ دیتی ہیں اور برتنوں کو اوندھا دیتی ہیں۔ برتن کے نیچے جو خلا ہوتا ہے۔ اُس میں ایک تہ راکھ کی اور ایک ناریل کے چھلکوں کی جماتی ہیں۔ اور ان پر لکڑیاں رکھ کر آگ دیدیتی ہیں اور آگ کو ہوا دیتی رہتی ہیں۔ استغفر الکسالہ

۱۔ ہندوستان کے جنوب میں ایک جزیرہ ہے

اُس وقت تک کہ ساری لکڑی جل کر خاک نہ ہو جائے۔ برتنوں پر دھاریاں ڈالنے کی ترکیب یہ ہے کہ کچے ناریل کے چھلکے لے کر ان کی پٹیاں کاٹ لیتی ہیں۔ اور گرم برتن پر چپکا دیتی ہیں[1]۔ جہاں جہاں چھلکا لگتا ہے وہاں سیاہ دھاریاں پڑ جاتی ہیں۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ظروف سازی کی ابتداء مصر، چین یا ان ممالک کی قوموں سے ہوئی ہے جن کی تاریخ قدیم ہم کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اُنیسویں صدی کے وسط سے جو تفتیش اس کے متعلق شروع ہوئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کہیں مٹی پائی جاتی تھی وہیں کی قوموں نے علیحدہ علیحدہ اس کی بنیاد ڈالی جس طرح انسان ضرورت واحتیاج سے مجبور ہو کر نجار، آہنگر، پارچہ باف بنا اسی طرح اس کو برتن بنانے پڑے۔ جب سے تاریخ کی ابتدا ہوئی ہے اُس وقت سے مختلف ممالک نے مختلف انواع کے برتن تیار کیے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ قبل شروع ہونے کے مختلف ملکوں کے برتن میں باہم اختلاف نہ ہو۔ قدیم مصری عہد کے جو برتن زمین سے دستیاب ہوئے ہیں وہ بہت چمکیلے ہیں اور ان کی مٹی میں ریت کا زیادہ حصہ ملا ہوا ہے بعض برتن ایسے بھی نکلے ہیں جو چٹانوں اور پتھروں کو کھود کر بنائے گئے ہیں[2] بالکل ممکن ہے کہ یونان، سیریا، بابل، چین، ہندوستان میں قدیم زمانہ کے آثار الک ...

---

[1] Man: Journal of the Anthr. Institute London.

[2] Encyclopaedia Brittonica.

برتن مصری برتنوں سے مختلف ہوں اور ایک کی ساخت دوسرے سے نہ ملتی ہو۔

ہندوستان کے آثار قدیمہ سے جو برتن دستیاب ہوئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ عہد مسیح سے صدیوں قبل فن ظروف سازی یہاں مکمل حالت میں تھا۔ سانچی[1] ٹوپ سے بھی پرانے برتنوں کے بہت سے ٹکڑے برآمد ہوئے ہیں جنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ فن ہندوستان کے عہد قدیم میں پوری ترقی حاصل کر چکا تھا۔ خود میں نے ان برتنوں کے ٹکڑوں کو دیکھا ہے اور یہ معلوم کرکے مجھے سخت حیرت ہوئی ہو کہ بعض برتن عہد قدیم کے موجودہ زمانہ کے برتنوں سے کہیں بہتر تھے۔ مٹی کا بدھنا جس وضع و صورت کا آجکل بنایا جاتا ہو، بالکل اسی انداز کا پہلے بھی بنایا جاتا تھا۔ چند صراحیوں کی ٹوٹی ہوئی گردنیں بھی وہاں کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ جن سے اُن کا تناسب و حسن اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہو۔ پھر اسی کے ساتھ اُن کے رنگ روغن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہو کہ باوصف ہزاروں سال گذر جانے اور زمین کے اندر مدفون رہنے کے اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔

بہرحال اس میں کلام نہیں کہ فن ظروف سازی کی ابتداء زمانہ قدیم کی اُنھیں اقوام سے ہوئی، جن کو ہم وحشی کہتے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا

استدراک !۔

[1] (Sanchi) ریاست بھوپال (وسط ہند) میں ایک مقام یہاں بدھ کی ہڈی مدفون تھی۔ یہ ٹوپ اشوکا کے زمانہ کا ہو جس نے مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کا زمانہ پایا تھا۔

کہ اس طرف سب سے پہلے جس کو توجہ ہوئی وہ عورت تھی، جیسا کہ ہم دوسرے باب میں ظاہر کر چکے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ برتن بنانے سے پہلے عورت نے اپنی کتنی کوششوں کو ناکام و مایوس دیکھا ہوگا اور کس قدر کاوشوں کے ساتھ تجربہ کے درمیانی مدارج طے کرکے اُس نے مٹی کو اس قابل پایا ہوگا کہ وہ اس پر اپنی صنعت صرف کرے۔ رہا یہ امر کہ برتنوں کی شکلیں اُس نے کیونکر اختراع کیں اس کے متعلق جہاں تک برتن کی صورتوں و نیز قیاس سے معلوم ہو سکتا ہے یہ ہے کہ عورت نے اس مسئلہ میں سب سے پہلے عالم نباتات و حیوانات سے مدد لی اور جنگلی پیداوار (مثلاً کدو وغیرہ) اور دریائی اشیاء (مثلاً گھونگھے اور سیپ وغیرہ) کی تقلید کی اور رفتہ رفتہ تجربہ کے ساتھ اُن کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا کہ برتن بجائے ہاتھ کے چاک کے ذریعہ سے اور بجائے مٹی کے چینی اور شیشے کے بنائے جانے لگے۔

اب کہ فن ظروف سازی اسقدر وسیع ہوگیا اور بے شمار معدنی اشیاء سے سیکڑوں، ہزاروں قسم کے برتن تیار ہونے لگے ہیں، انسان اس موجد اول کے احسان کو فراموش کر سکتا ہے جس نے اوّل اوّل ایک ٹھیکرے کو برتن بنایا لیکن تاریخ حرفت و صنعت عورت کے قدیم کارناموں کو نہیں بھلا سکتی۔ کیونکہ یہی اس کی خلاق ہے اور وہی اساس و بنیاد ہے تمام اس بوقلمونی کی جو موجودہ زمانہ کے فن ظروف سازی سے منسوب کی جاتی ہے۔

پانچویں فصل

عورت کی باربردارانہ خدمات

اس دورِ ترقی میں دنیا کی رونق اور عالم کا ہنگامہ جس چیز سے وابستہ ہے وہ صرف تجارت ہے۔ اگر تجارت مسدود کر دی جائے تو دنیا کی یہ عظیم الشان دوکان سونی نظر آنے لگے اور کائنات کی ساری رونق درہم و برہم ہو جائے۔ اب غور کرو کہ تجارت کا قیام کس چیز سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان و اسباب منتقل کرنے کے ذرائع اُٹھ جائیں تو تجارت کا یہ سارا تار و پود منتشر ہو جائے اور دولت و ترقی کا شیرازہ ابتر۔

جہاز، ریل گاڑیاں، جانور، انسان، سب اسی شغل میں مصروف ہیں کہ ایک چیز کو اِدھر سے اُدھر منتقل کر دیں گویا ہر وہ چیز جو تمہیں متحرک نظر آتی ہے یا وہ ہے جو منتقل کی جا رہی ہے، یا وہ ہے جو خود اسباب کو منتقل کر رہی ہے۔ ایک بندرگاہ پہ کھڑے ہو کر جہازوں کی آمد و رفت کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ انسان کس انہماک کے ساتھ شب و روز سامانِ تجارت کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرنے میں اپنی زندگی کو وقف کئے ہوئے ہے۔ کسی بڑے ریلوے اسٹیشن پر ریلوں کی آمد و رفت پر غور کرو اور دیکھو کہ حیاتِ انسانی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ کسی شغل میں بسر نہ ہوتا ہو پھر اسی ریل و جہاز سے متعلق جو دیگر ذرائع اس کام کے لئے پیدا ہو گئے ہیں اور اس کے لئے جو جنبش و حرکت انسان کو خود کرنی پڑتی ہے اس کا احاطہ مشکل ہے لیکن یہ جہاز و ریل کس صدی کی چیزیں ہیں؟ غالباً اسی صدی کی جواب گزر رہی ہے

یا زیادہ سے زیادہ اُس صدی کی جو اس سے قبل گزر چکی ہو۔ تو کیا اس سے پہلے بار برداری کا طریق رائج نہ تھا؟ یقیناً تھا۔ بادبانی کشتیاں، ہاتھی، اونٹ گھوڑے، بیل، خچر وغیرہ سب سے یہی کام لیا جاتا تھا اور برفستان کی گاڑیاں، کتوں، ہرنوں، گھوڑوں کی گاڑیاں سب اسی غرض کیلئے مستعمل تھیں لیکن ہمیں اسسے بھی بحث نہیں ہو بلکہ دیکھنا یہ ہو کہ دنیا میں اولین ذریعہ باربرداری کیا تھا، اس کی جستجو جس وقت کی جاتی ہو تو معلوم ہوتا ہو کہ اولین ذریعہ باربرداری دنیا میں عورت تھی۔ یقیناً عالم حیوانات میں چڑیاں، شہد کی مکھیاں اور چیونٹیاں وغیرہ عورت سے پہلے اپنی دنیا کے ذرائع باربرداری تھے لیکن عالم انسانیت میں سب سے پہلے جس نے یہ درس حاصل کیا، عورت تھی۔

ذرائع باربرداری کی دو قسمیں ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جو آدمیوں کو ادھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور بعض اشیاء کے منتقل کرنے کے کام میں آتے ہیں۔ ان دونوں میں پہلی قسم کا ذریعہ زیادہ قدیم ہو جو صرف عورت کی ذات سے قائم تھا۔ کیوں کہ ازمنۂ قدیمہ میں بھی جب بچے پیدا ہوتے ہوں گے تو عورت ہی اُن کو اپنی آغوش میں رکھتی ہوگی اور اپنی ہی گود میں لے کر اُن کو ادھر اُدھر پھراتی ہوگی۔ رہا دوسرا طریقۂ باربرداری اس کی نسبت بھی تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہو کہ سب سے پہلے عورت ہی نے نہ صرف اپنے بچے کو بلکہ اور چیزوں کو بھی اُدھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لئے ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے وہ بوجھ کو سر دپشت پر آسانی سے اُٹھا سکے۔

ظاہر ہو کہ زمانۂ قدیم میں جب عورتیں صحرا کی پیداوار غذا بنانے کے لئے

جمع کرتی ہوں گی، تو اُس کو گھر بھی لاتی ہوں گی، اس لئے وہ عورت جس نے بوجھ لادا، یقیناً اُس نے ٹوکریاں بھی بنائیں، اسی طرح جب عورت چشموں کی تلاش میں باہر نکل جاتی تھی تو وہ اس ضرورت کو بھی محسوس کرتی تھی کہ پانی اپنے جھونپڑے تک کس طرح لے جائے، اور اس غرض کی تکمیل کیلئے اُس نے برتن تیار کیے۔ اسلئے اسی باربردار عورت کو فن ظرف سازی کا بھی موجد بننا پڑا اور اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ دنیا عورت کی اس خصوصیت کے لحاظ سے اُس کی کس قدر ممنون ہے۔

عورت نے سب سے پہلے فن باربرداری کے جس شعبہ کے متعلق اپنی توجہ مبذول کی۔ یہ تھا کہ وہ اپنے بچے کو کیونکر ادھر سے اُدھر لئے جائے۔ اور اسکے لئے جو تدابیر اس نے اختیار کیں خواہ وہ کیسی ہی بھدی کیوں نہ ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موسم و مقام کے لحاظ سے بالکل مکمل تھیں۔ مثلاً اسکیمو کی عورت جو نہایت سرد ملک میں زندگی بسر کرتی تھی، اس امر سے واقف تھی کہ جب درجۂ حرارت صفر سے بھی چالیس درجہ گھٹ جائے گا تو اُس کا بچہ برودتِ موسم کے مقابلہ میں اپنی حرارتِ جسم کو کھو بیٹھے گا اور ایسے وقت میں گہوارہ کے تختہ پر اس کو لٹا دینا، گویا موت کے تختہ پر سلا دینا ہوگا۔ اسلئے ایسے موسم میں وہ بچہ کا گہوارہ اپنے ہی سینے کو قرار دیتی ہے۔ جہاں وہ سینے اور سمور کے درمیان لپٹا ہوا اِدھر سے اُدھر منتقل کیا جاتا ہے۔

سرزمین اسکیمو و خط سرطان کے درمیان وحشی لوگوں کی بہت سی قومیں آباد تھیں اور اُن سب کی عورتیں اپنے اپنے علاقہ کی آب و ہوا کے لحاظ سے

گہوارہ تیار کیا کرتی تھیں، کناڈا میں بید کی چھال کا گہوارہ بنایا جاتا تھا جس میں سمور کا ٹکڑا بچھا رہتا تھا۔ برٹش کلمبیا کے ساحلی مقامات پر گہوارہ کشتی کی شکل کا بنایا جاتا تھا اور بجائے سمور کے اس میں دیودار کی چھالیں باریک کرکے بچھا دی جاتی تھیں اور زیادہ جنوب میں ہٹ کر جہاں سردی کی شدت نہیں ہوتی گہوارہ کی تعمیر بید، سرکنڈے وغیرہ سے ہوتی تھی اور اس میں ایک چھجہ نکال دیا جاتا تھا تاکہ بچہ دھوپ سے محفوظ رہے۔ کوہستانی مقامات میں گہوارہ مستطیل بنایا جاتا تھا۔ اور وہ ایک دوشاخہ پر جو سٹیرتی کی طرح ہوتا تھا قائم کیا جاتا تھا۔ بہرحال ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے گہوارہ کی ساخت مختلف ہوتی تھی اور ایک جگہ کا گہوارہ دوسری جگہ کام نہ دے سکتا تھا۔ ایشیا اور جنوبی امریکہ میں بھی گہوارہ کی ساخت میں موسم کا لحاظ رکھا جاتا تھا جو ممالک خط سرطان و خط جدی کے درمیان واقع ہیں وہاں گہواروں کا وجود تقریباً معدوم ہے۔ کیونکہ یہاں گرمی کی وجہ سے بچے کی حفاظت کا سوال بہت اہم سوال سمجھا جاتا ہے اور ماں اکثر اسے اپنے ہی آغوش میں رکھتی ہے۔ ان ممالک کی عورتیں سر، شانہ اور قریب قریب تمام اعضاء کو برہنہ رکھتی ہیں۔ اور بچے بھی بالکل برہنہ رہتے ہیں اسلئے وہ کبھی گردن پر سوار دیکھا جاتا ہے۔ اور کبھی کولوں پر۔ برٹش نیو گانا میں[1] عورتیں اپنے بچوں کو چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں رکھ کر شانہ پر لادلیتی ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کھانے کی ٹوکری لکڑیوں کا گٹھڑ ایک تسمہ سے بندھا ہوا پیٹھ پر لٹکتا رہتا ہے علاوہ

اسٹینڈ راک : ۔

[1] Thompson, British New Grinea, 1892

ان سب کے اوپر چھوٹا بچہ بیٹھا رہتا ہے۔ یہاں کی عورتیں بہت بچپن سے بوجھ لادنے کی عادی بنائی جاتی ہیں۔ پاپوا کی عورتیں اپنے بچوں کو بجائے لٹکے اپنے سامنے ایک جال میں ڈال کر اُس کی دوڑ کو سر کے اوپر لٹکا لیتی ہیں۔ اگر کسی شخص کو عورتوں کی باربرداری میں شک ہو تو اُس کو چاہیئے کہ دیہات وقصبات میں بازار کے دن جاکر دیکھے کہ عورتیں کس شان سے نظر آتی ہیں۔ اُن کے جسم کا کوئی حصہ کوئی ہڈی اور کوئی عصب ایسا نظر نہیں آتا جو کسی نہ کسی بوجھ کے اثر سے متاثر نہ ہو چکی۔ اور ایشیا کے دیگر ممالک میں بہنگی کا زائد استعمال تھا جس کے ذریعہ سے گھر کی تمام چیزیں، کھیت کی پیداوار منتقل کی جاتی تھی۔ بہرحال تمام ممالک میں عورت نہ صرف اپنے بچوں کے لحاظ سے باربرداری کا کام کرتی ہے۔ بلکہ خانہ داری کی تمام چیزوں کے اعتبار سے بھی جن کو اندر سے باہر اور باہر سے اندر لانا اُس کے فرائض میں داخل ہے۔ ادنیٰ طبقہ کی عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ ملے گی جو بوجھ نہ اُٹھاتی ہو۔ ہندوستان کی عورت کی دیہاتی زندگی کا بیشتر باربرداری کی زندگی ہے۔ جس میں وہ کسی جگہ جنگل سے لکڑی جمع کرکے سر پر لاتی ہوئی نظر آتی ہے کہیں گھاس اور پتوں کے گٹھے اُٹھائے ہوئے ہے اور کسی جگہ ٹوکریوں میں گوبر اکٹھا کرنے کے لئے جاری ہے۔ جن لوگوں نے عورتوں کو پانی لاتے دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وقت واحد میں وہ کتنے برتن پانی سے بھرے ہوئے لے جا سکتی ہے۔ ہندوستان کی زرعی زندگی کی کامیابی کا دارومدار صرف عورت کی اسی خصوصیت پر ہے جس کے زیر اثر وہ ہر وقت کسی نہ

کسی چیز سے لدی ہوئی گدھے کھیت کی طرف اور کھیت سے گھر کی طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

واشنگٹن کے نیشنل میوزیم میں درختوں کے ریشہ کی اینڈوبان یا گینڈریاں زمانۂ قدیم کی رکھی ہوئی ہیں جس وقت سر پر گھڑا وغیرہ رکھتی تھیں تو اسکے نیچے پہلے اینڈوی رکھ لی جاتی تھی جب برتن میں پینیدی بنانے کا رواج ہوا تو اینڈویوں کا استعمال جاتا رہا۔ لیکن ہندوستان میں اسکا رواج اب بھی ہے اور نہایت کثرت سے ہے۔

اریزونا کی عورتیں پانی لانے کے لئے ٹوکری کے ساخت کی صراحیاں استعمال کرتی ہیں۔ صراحی کے اُبھرے ہوئے حصہ میں دو حلقے بنے ہوئے ہوتے ہیں جس میں عورت بالوں کی رسی ڈال کر اپنے سر پر لٹکا لیتی ہے اور اس طرح برتن اُس کے پیٹھ پر قائم رہتا ہے۔ بعض قوموں کی عورتیں پیشانیوں کو مجروح ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک تاج نما گدی بناتی ہیں جو اکثر چمڑے کی ہوتی ہے۔ ایک گدی پیٹھ کے لئے بھی ہوتی ہے جس پر بوجھ رکھا رہتا ہے۔ اگر بوجھ بھاری اور ٹھوس ہوتا ہے تو یہ چھوٹی ٹوکریاں استعمال کرتی ہیں لیکن اگر بوجھ ہلکا اور زیادہ جگہ گھیرنے والا ہوتا ہے تو ٹوکری بڑی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات عورت کا سارا جسم اُس سے چھپ جاتا ہے۔

اگر تم کسی صبح کو اُٹھ کر جرمنی کے شہر میں جاؤ گے تو دیکھو گے کہ دروازے کے سامنے میز یا صندوق پر ایک لانبی سی ٹوکری رکھی ہوئی ہے۔ اور اُسکے

ڈھانچے کی لکڑیاں ایک یا دو انچہ نیچے کی طرف نکلی ہوئی ہیں۔ اور دو چوڑے تسمے ٹوکری کے دونوں کناروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک عورت آتی ہے اور ان دونوں تسموں کو اپنے شانہ پر ڈال کر بوجھ کو آسانی سے اُٹھا کر چل دیتی ہے۔

لفٹننٹ پیری[1] نے اپنے تجربات گرین لینڈ میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسکیمو کی عورتیں گھر کی تعمیر کے لئے تین تین سو پونڈ وزن کا ناہموار پتھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لے جاتی ہیں۔ مرڈوک[2] اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اُن کا بدن بہت پھیلا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بہ نسبت دیگر اقوام کی عورتوں کے زیادہ وزن اُٹھا سکتی ہیں۔

کالنسن[3] لکھتا ہے۔

"اسکیمو کی عورتوں کو باربرداری کا سارا کام انجام دینا پڑتا ہے
یہاں تک کہ لڑکے بھی اپنا بوجھ اپنی بہنوں پر لاد دیتے ہیں"

بحری و ساحلی مقامات میں اسکیمو کی قوم دو قسم کی کشتیاں تیار کرتی ہے۔ ایک مردوں کے استعمال کے لئے جو سیل مچھلی کی کھال سے منڈھی ہوتی ہے اور شکار کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری عورتوں کی کشتی کہلاتی ہے جو مسافروں اور اسباب کے لانے اور لے جانے کے کام آتی ہے۔ اس کشتی کو چار عورتیں چپو سے

---

[1] استدراک Lieutenant Peaty

[2] Mudoch, Ninth An. Rep. 1892

[3] J. Collinson, Roy 500 London, 1855

چلاتی ہیں اور جب ہوا موافق ہوتی ہو۔ بادبان سے بھی کام لیتی ہیں۔ یہ بادبان بھی سیل مچھلیوں کی جھلّی کا ہوتا ہو۔

مسٹر ہرن[1] نے اپنے تجربات سفر میں ذکر کیا ہو کہ ان کو جو کچھ تکلیف وحشی جزائر کی سیاحت میں ہوئی اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُنھوں نے غلطی سے کسی عورت کو اپنے ساتھ نہ لیا تھا۔ اُن کا تجربہ یہ ہو کہ مرد پر جب بوجھ لدا ہوتا ہو تو وہ زیادہ نہیں چل سکتا برخلاف عورت کے کہ وہ مرد سے دونا بوجھ لے کر دُور تک سفر کر سکتی ہو۔ علاوہ اس کے وہ خیمہ بھی نصب کرتی ہو اور تمام وہ خدمات انجام دیتی ہو جن کی ضرورت سفر میں ہر شخص کو پیش آتی ہو۔ پھر لطف یہ ہو کہ اُس کی خدمات نہایت ارزاں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اس درجہ قانع ہوتی ہے کہ اگر کبھی کافی غذا میسر نہ آئے تو صرف برتنوں کو پونچھ کر چاٹ لینے پر کفایت کرتی ہو۔

دریائے مسوری[2] کے کنارے ایک قوم سیوکس رہتی ہے اُن کی نسبت کہا جاتا ہو کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ فن کشتی سازی وکشتی رانی سے واقف ہیں۔ مسٹر کیٹ لن[3] بیان کرتے ہیں کہ بڈھے سردار نے اپنے گھر کی ایک کنیز کو حکم دیا اور اس نے ایک چرمی کشتی اپنے سر پر رکھ لی۔ یہ کشتی بید کے ڈھانچے پر بھینس کی کھال منڈھ کر بنائی گئی تھی۔ اس عورت نے کشتی کو

---

[1] استدراک، بحوالہ Hearue, Journeyate, London, 1795

[2] (Missouri) شمالی امریکہ کے مشرق میں ایک دریا۔

[3] Smithson, Catlin, Rep.

پانی میں ڈال دیا اور ہم لوگ اُس میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد عورت پانی میں اتری اور کشتی کو گھسیٹ کر لے چلی۔ جب زیادہ عمیق جگہ پہونچی تو اُس نے اپنا کرتہ اُتار کر کنارے کی طرف پھینک دیا اور پیرتی ہوئی کشتی کو لے چلی جب ندی کے وسط میں پہونچے تو ایک درجن لڑکیاں دوسرے کنارے کی طرف آکر مل گئیں۔ یہ سب کی سب کشتی کے چاروں طرف اپنے لانبے لانبے سیاہ بال پانی میں کھولے ہوئے نہایت آزادی سے پیر رہی تھیں جو عورت کشتی لائی تھی اُس سے انھوں نے کشتی لے لی اور انعام لینے کے لئے اُسے چکر دینا شروع کیا۔ اور پھر کنارے کی طرف لے گئیں

جس زمانہ میں یہاں جنگلی بھینسے کثرت سے پائے جاتے تھے تو اسوقت یہاں یہ کشتیاں کثرت سے بنتی تھیں اور ان کو صرف عورتیں ہی بناتی تھیں۔

"رابرٹ ڈیکے" لکھتے ہیں کہ

"ڈباک کی عورت بالعموم اپنا دن کھیت میں صرف کرتی ہے اور شام کو لکڑی اور ترکاریوں کے گٹھے اپنے سر پر لے جاتی ہے اور یہ سفر اُس کو ناہموار کوہستانی مقامات میں میلوں تک کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اُسے ہزار ہزار فٹ کی بلندی صرف چٹانوں پر چڑھ کر طے کرنی پڑتی ہے۔ گھر پہونچکر بھی وہ آرام نہیں کرتی بلکہ وہاں دھان کوٹنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی اس محنت کو ۹-۱۰ سال

استدراک:-

ط Robert Wallace. J. Soc. Arts, 1892

کی عمر سے شروع کرتی ہے اور اُس وقت تک کہ بالکل ضعیف و بیکار نہ ہو جائے جاری رکھتی ہے۔"

مصر کی محنت و مزدوری کرنے والی عورتیں بھی سخت جفاکش ہیں۔ وہ گھر کیلئے دریا یا نہر سے گھڑوں میں پانی بھر بھر کر لے جاتی ہیں۔ کھیتوں میں بھی کام کرتی ہیں اور گھر کے مویشی بھی چراتی ہیں[1]

افریقہ میں سر سموئل[2] بیکر نے دیکھا ہے کہ عورتیں عام طور سے ادھر اُدھر اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھے ہوئے گزرتی ہیں اور مقام گونڈ و کرو سے نمک بھر بھر کر لاتی ہیں اس حال میں کہ ایک ہاتھ میں بکری کی رسی بھی ہوتی ہے جس کو وہ ساتھ چرانے کے لئے لے جاتی ہیں۔

شمالی البانیا میں اب تک قدیم معاشرت کہیں کہیں نظر آجاتی ہے یہاں کی عورتیں اب بھی بہت محنت کرتی ہیں۔ وہ پہاڑوں پر بڑے بڑے بوجھ لکڑی غلہ وغیرہ کے لے کر آسانی سے چڑھ جاتی ہیں۔ بسا اوقات یہ بوجھ اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ عورت دوہری ہو ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ کبھی کسی سے شکایت نہیں کرتی۔ مرد اُن کے آگے ہوتے ہیں لیکن سوائے ہتھیاروں کے اور کوئی چیز اُن کے پاس نہیں ہوتی[3]

---

[1] استدراک: Women of all Nations

[2] Sir Samuel Baker, Ismailea, 1875

[3] Women of All Narions

صحرائے عرب کے بدو جب ریگستان میں چراگاہ یا چشمہ کی تلاش کی غرض سے اپنا جائے قیام بدلنا ضروری سمجھتے ہیں تو اُن کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ یوں ہی خالی ہاتھ اپنے اونٹوں کو لے کر چل دیں۔ پھر اب یہ عورت کا کام ہوتا ہے کہ وہ خیموں کو اُکھاڑے، سارا سامان اکٹھا کرے اور اونٹوں پر بار کر کے لے جائے۔ عورتیں اس کام کو اس قدر سرعت کے ساتھ انجام دیتی ہیں کہ مردوں کا قافلہ دُور نہیں پہنچتا کہ یہ بھی سارا اسباب لیکر اُن سے مل جاتی ہیں

تھامسن[1] کہتا ہے کہ ارض مقدس میں آج بھی عورتوں اور لڑکیوں کی ایک جماعت اپنے سیاہ رنگ کی لانبی لانبی صراحیاں پانی سے بھری ہوئی شہر کے باہر سے لاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور اس شغل میں وہاں کی عورتیں تقریباً قریب تمام دن مصروف رہتی ہیں۔

"کُرد قوم کی عورتوں کے حال میں ایک کتاب[2] کا یہ اقتباس غالباً دلچسپی سے پڑھا جائے گا"

"جب ہم ایسے مقام پر پہونچے جہاں کی سڑک پانی سے کٹ گئی تھی تو ہم نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو لدے ہوئے خچر کو لیجانا چاہتی تھی، لیکن خچر عبور نہ کرسکتا تھا۔ عورت نے علاوہ اس بوجھ کے

استدراک

[1] Thomson. The Land and the Books, 1880

[2] Woman's work for women, Novr. 1888

جو پہلے سے اس کے پشت پر تھا اور علاوہ ایک سوت کاتنے کی
چرخی کے جو اس کے ہاتھ میں تھی، خچر کا بھی سارا بوجھ اپنے سر پر
رکھ لیا جو یقیناً ایک من سے زائد تھا، لیکن وہ نہایت آسانی سے
گاتی ہوئی اور سوت کاتتی ہوئی اس دشوار گزار مقام سے لدی
پھندی گزر گئی۔ کرد عورتیں جب رات کو لیٹتی ہیں تو سر کے نیچے گٹھا
باندھنے کی رسیاں رکھ لیتی ہیں۔ آدھی رات گزر جانے کے بعد وہ
رسیاں لے کر چلی جاتی ہیں۔ اور صبح کو پوری طرح لدی ہوئی ڈھلواں
پہاڑوں سے کاتتی ہوئی اور گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔
میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں بھرے ہوئے بڑے بڑے
کھا نچے اپنی پیٹھ پر اور بچوں کو گود میں لئے ہوئے چار چار دن تک
مسلسل ناہموار دروں میں سفر کرتی ہیں۔ چند سال گزرے جلیبو کی
ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کا شوہر جو ایک دیوہیکل شخص تھا،
راستہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ اس عورت نے اُس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر
مسلسل چار دن تک سفر طے کیا۔"

اس زمانہ میں بھی بھٹیوں اور کانوں میں عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے
جست کی بھٹیوں میں اکثر عورتیں ہی کام کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہیں جہاں
بعض اوقات ایسی سخت گرمی ہوتی ہے کہ نلوں کے ذریعہ سے باہر کی ہوا
پہونچانے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ کانوں کے اندر عورتیں زیادہ تر
بوجھ اُٹھانے اور لدی ہوئی گاڑیاں ڈھکیلنے کے کام پر لگائی جاتی ہیں۔

بائیس گز زمین کے اندر چار لڑکیوں کو اسّی ٹب اُٹھانے پڑتے ہیں اور اور ہر ٹب میں ڈیڑھ ہنڈریڈ ویٹ وزن ہوتا ہے، لوہے کے کارخانوں میں بھی عورتیں کثرت سے کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

کوپن ہگن[1] کا نظارہ نہر عجب ہے۔ یہاں صدہا عورتیں مچھلی پکڑنے کے مشغلہ میں مصروف دیکھی جاتی ہیں۔ وہی کشتیاں کھیتی ہیں، مچھلیاں پکڑتی ہیں۔ ان کو فروخت کرتی ہیں اور مختلف قسم کے کھانے ان سے طیار کر کے ہوٹلوں کو مہیا کرتی ہیں۔ دراں حالیکہ مردان کی بالکل مدد نہیں کرتا۔

شمالی کلیفورنیا میں کچھ زمانہ قبل عورتیں جنگل سے سن جمع کرتی تھیں اپنے دانتوں سے اُن کے ریشے الگ کر کے کاتتی تھیں اور جال بنا کر مچھلیاں پکڑتی تھیں۔

ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فرانس، ہر جگہ کاشت کرنے والی اور مزدوری پیشہ عورتیں بہت محنت کرتی ہیں اور یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ ان کی دوسری بہنیں جو شہر کے دولت مند خاندانوں سے متعلق ہیں، کیوں کر پر تعیش زندگی بسر کرنے کی عادی ہو گئی ہیں۔ یورپ میں قریب قریب ہر جگہ اگر مرد اپنی پیٹھ پر سامان حرب لئے ہوئے نظر آتا ہے تو عورت اسباب خانہ داری لئے ہوئے دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے اگر دنیا میں امن قائم رکھنے کے لئے حرب و اقتصاد دونوں کی ضرورت ہے تو یقیناً یہ نعمت

استدراک:

[1] Copenhagon

بغیر عورت کی مدد کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو نظام کائنات میں مرد کے دوش بدوش حصہ لے رہی ہے۔

حسب بیان مسٹر کنان[1] معلوم ہوتا ہے کہ روس کی عورتیں بھاری بوجھ لے جانے میں متفقہ قوت سے کام لیتی ہیں جیسے افریقہ و ایشیا وغیرہ میں پالکی اُٹھانے کے لئے۔

یہاں کی عورتیں بہت مضبوط ہیں اور دو سو پونڈ کا وزن بہنگی میں رکھکر صرف دو عورتیں اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ روسی عورتیں یہ بھی جانتی ہیں کہ جب زیادہ بوجھ ہو تو پشت و گردن کو کس طرح اٹھالینا چاہیئے۔

یورپ میں جرمنی کی عورتوں سے زیادہ محنتی و جفاکش کوئی عورت نہیں واقعہ یہ ہے کہ محنت مہلک نہیں ورنہ یہاں کی بہت سی لڑکیاں قبل جوان ہونے کے ہلاک ہوجاتیں۔ کیونکہ وہ بہت کم سنی کے زمانہ سے سخت محنت کرنے کی عادی بنائی جاتی ہیں۔ نیورمبرگ[2] کے بازار میں چری[3] بیچنے والی عورتیں کثرت سے دیکھی جاتی ہیں یہ دیہات سے ایک بڑی گاڑی کو خود کھینچ کر لاتی ہیں۔ گاڑی کے ایک گوشہ میں بچہ پڑا ہوتا ہے۔ دوسری طرف چری کا ڈھیر اور ان دونوں کے درمیان ترکاریوں کا انبار لگا ہوتا ہے۔ یہ عورت جو ماں بھی ہے اور زمیندار بھی، جو کاشتکار بھی ہے اور دوکاندار بھی پانچ بجے صبح سے ۹ بجے شام تک

---

[1] Mr. Kennan

[2] Nuremberg شہر کا نام [3] Cherry ایک قسم کا پھل جنگلی بیر کی طرح

بازار میں بیٹھی رہتی ہے، اس حال میں کہ قہوہ کے چند گھونٹ اور روٹی کے چند نوالے اس کی دن بھر کی غذا ہے۔ شام کو جب تاریکی پھیلنے لگتی ہے تو وہ اپنی ترکاریوں کے ڈھیر کو سنبھالتی ہے۔ اور گھاس پھونس اپنے سوتے ہوئے بچے کے اوپر ڈال کر گاڑی کھینچتی ہوئی گاؤں لے جاتی ہے کہیں وہ تنہا گاڑی کو کھینچتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کسی جگہ ایک طرف وہ ہوتی ہے اور دوسری طرف گائے یا کتا۔ گاڑی کے پیچھے پیچھے بہت سے بچے ہوتے ہیں جو بوسیدہ ملبوس پہنے ہوئے سروں پر اپنے جسم سے زیادہ وزنی بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں۔ یہاں جب کوئی عورت کسی کسان سے ملازمت کی طلبگار ہوتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ اس کو کام ہی کرنا ہے۔ اسلئے وہ اپنی خدمات متعین نہیں کراتی۔ یہاں عورت درخت گراتی ہے۔ لکڑی کاٹتی ہے اوزار پر دھار رکھتی ہے۔ مشین میں تیل دیتی ہے۔ مواشیوں کے باڑے صاف کرتی ہے کوئلہ ڈھوتی ہے۔ الغرض وہ دنیا کے سارے کام کرتی ہے اور کسی خدمت سے اُسے عار نہیں اسی طرح شہر میں عورتیں کام کرتی ہیں وہ بھی کپڑے دھونا، مکان صاف کرنا، پانی بھرنا، پکانا، سینا، پرونا سب ہی کچھ کرتی ہیں اور ایک لمحہ کیلئے بھی بیکار نہیں بیٹھتیں۔

شہر نرمبرگ میں آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں ایک دروازہ Ladie's Gate (عورتوں کا پھاٹک) کہلاتا ہے۔ یہ دروازہ ۱۵۵۵ء میں شاہ البرٹ کی تجویز سے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ عورتوں سے صرف اسی لئے منسوب ہے کہ اس کی تعمیر میں عورتوں نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ صبح ۶ بجے عورتیں یہاں پہنچ جاتی تھیں اور ایک ٹن

میں جس کا قطر ۱۰ انچ کا اور عمق تین فٹ کا ہوتا ہے گا وہ کھود کھود کر بھرتی تھیں اور تسمہ سے اپنے شانوں میں باندھ باندھ کر معمار کے پاس لے جاتی تھیں۔ اور وہاں گارہ ڈال کر پھر واپس آتی تھیں۔ یہ کام وہ اسقدر تسلسل کے ساتھ شام تک انجام دیتی تھیں گویا ہر عورت اپنی جگہ ایک مشین ہے جو کسی وقت اپنی حرکت و جنبش کو بند نہیں کرتی۔[1]

ہندوستان میں بھی عورت کی اس زندگی سے ہر شخص واقف ہے۔ مزدوری پیشہ طبقوں میں تقریباً نصف حصہ عورتوں کا ہے جو ہر قسم کا کام کرتی ہیں بوجھ اٹھانا گارہ لے جانا، اینٹیں ڈھونا، سڑکیں جھاڑنا، پانی بھرنا، لکڑیاں، گھاس کا ہی وغیرہ لاد کر بازار میں لاکر فروخت کرنا یہ سب عورتیں ہی کرتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ اپنی اس زندگی سے خوش ہیں۔

یونانیوں کے علم الاصنام میں اٹلس (Atlas) کو جو ایک مرد کی صورت میں ہے کرۂ ارض اپنے شانہ پر اٹھائے ہوئے دکھایا گیا ہے لیکن اگر واضع علم الاصنام مرد نہ ہوتا تو حقیقت کے لحاظ سے بجائے مرد کے کسی عورت کی تصویر ہوتی کیونکہ اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو وہی ساری کائنات کے بوجھ کو اپنے ضعیف بازو کی قوت سے اٹھائے ہوئے ہے جس کا کوئی اجر بھی مرد سے طلب نہیں کرتی۔

استدراک ۱۔

[1] New York World

چھٹی فصل

عورت اور فنون مختلفہ

عورت کی جن صنّاعیوں کا ذکر اوراق ماسبق میں کیا گیا ہے، اگر اُن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک صنعت کے ساتھ بہت سی دوسری صنعتیں بھی وابستہ ہیں اور عورت نے ان سب کی ترقی میں پورا حصہ لیا۔ مثلاً زمانہ حجری میں عورت غذا تیار کرنے کے لئے چاقو، ہتھوڑا، کھرل، برتن اور بہت سے آلات و اوزار پتھر کے استعمال کرتی تھی، اور ان چیزوں کے بنانے کے لئے عورت ہی حکاکی کی خدمت بھی انجام دیتی تھی جس میں کاٹنا، توڑنا، چھیلنا، سوراخ کرنا، پیسنا، رگڑنا، سارے کام شامل ہیں اسی طرح مرد اپنے فرائض کے لحاظ سے جن آلات و اوزار کا محتاج ہوتا تھا تیار کرتا تھا۔ الغرض زمانۂ قدیم میں مرد و عورت دونوں اپنا سارا وقت اوزار بنانے یا اوزار استعمال کرنے میں صرف کر دیتے تھے اس کی ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ جو حجری اوزار یا آلات ان کے پاس تھے وہ ان کی ضروریات کے لحاظ سے ناقص تھے اور وہ ان کے نقص کو محسوس کرتے تھے۔

جب اوّل اوّل عورت کو چاقو کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے پتھر کا ایک تیلا دھار دار ٹکڑا قریب کی چٹان سے لے لیا لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ ناکافی ہے اور اس کو اس سے بہتر کسی چیز کی ضرورت ہے چنانچہ اُس نے اپنے تجربہ و تلاش سے معلوم کیا کہ جو پتھر سطح بیرونی پر آفتاب سے متاثر ہونے کے لئے کھلا رہتا ہے وہ جلد ٹوٹ جاتا ہے، اور جو پتھر زمین

اندر سے نکلتا ہے وہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے، اس لئے عورت نے زمین کھود کر پتھر کو نکالا اور اسکے چاقو بنائے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس ایک چاقو سازی سے کتنے مشاغل اور پیدا ہو گئے۔

(۱) لکڑی کو جلا کر نوک دار بنانا، اس لکڑی سے زمین کھود کر پتھر تک پہونچنا دوسرے پتھروں کی مدد سے اس پتھر کو توڑنا اور اس کے ٹکڑوں کو صحرائی جانوروں کے سینگوں اور دوسری لکڑیوں کی مدد سے سرکانا۔

(۲) پتھر سے پتھر پر ضرب پہونچا کر اُس کے ٹکڑے کرنا (یہ کام بہت محنت و صبر کا تھا، کیونکہ مشکل سے کوئی ایسا پتھر نکلتا تھا جس سے اوزار بن سکے)

(۳) زمین کھودنے سے جو کچھ حاصل ہو اُسے گھر لے جانا جو تنہا عورت کا کام تھا

(۴) زمین سے نکلے ہوئے پتھروں کے چاقو بنانا، تاکہ اس سے جانوروں کی کھال نکالی جائے، گوشت کاٹا جائے اور چمڑا بنایا جائے۔

علاوہ دھاردار آلات کے دوسری قسم کے اوزار کی بھی اُس کو ضرورت تھی جس سے وہ اپنی غذا کو باریک کر سکے اس کے لئے اُس نے کھرل اور اسکا دستہ بنایا، اسی کے ساتھ اُس نے میز کی طرح ایک مسطح سل بھی طیار کی جسے پتھر سے رگڑ کر وہ چکنا کر لیتی تھی۔

شمالی امریکہ کے معتدل حصوں میں چاول وغیرہ پیسنے کے لئے عام طور سے کھرل مستعمل تھی اور دیگر حصص میں سل کا رواج تھا۔ موکی عورت اب بھی غذا طیار کرنے کے لئے پچاس مختلف طریقوں سے غلہ بناتی ہے اور اتنے متنوع الالوان

کھاؤں کے لئے عورت کو حکاکی، حمالی، معماری، طباخی وغیرہ کے سارے کام کرنے پڑتے ہیں[1]

یہ عورت غلّہ پیسنے کے لئے عجیب و غریب طریقے سے کام لیتی ہو سب سے پہلے وہ چکی یا سل کے لئے پتھر کا انتخاب کرتی ہو اور کئی سلیں اٹھا لاتی ہو۔ ان کے کناروں کو وہ سنگین ہتھوڑوں سے صاف کرتی ہو۔ اسکے بعد وہ زمین میں ایک مستطیل گڑھا سات فٹ لانبا اور ۲۰ انچ چوڑا کھودتی ہو جو چار حصوں میں تقسیم ہوتا ہو۔ ان میں سلوں کو جما دیتی ہو اور اس طرح صندوق کی سی صورت پیدا ہوجاتی ہو۔ یہ صندوق دیوار کے قریب بنایا جاتا ہو تاکہ پیسنے کے وقت پاؤں دیوار کے سہارے سے رہ سکے۔ جگہ کی موزونی کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہو کہ دیوار کی طرف پشت کرکے ایک عورت اپنا زانو ٹکا دیتی ہے۔ دوسری عورت اس جگہ ایک نشانی بنا دیتی ہو۔ جب یہ صندوق تیار ہوجاتا ہو تو اس کے کنارے اور جوڑ پر مٹی لگا دی جاتی ہو۔ اسکے بعد زیادہ کھردری سل موٹا آٹا پیسنے کے لئے کنارے پر، اسکے بعد کم کھردری باریک آٹا پیسنے کے لئے، اور سب سے آخر میں چکنی سل جوار کا آٹا پیسنے کے لئے نصب کردی جاتی ہو۔ بٹّہ بھی اسی لحاظ سے کھردرا اور چکنا بنایا جاتا ہو۔ پیستے وقت عورتیں تو صندوق کے پیچھے دوزانو ہوجاتی ہیں، اپنے پاؤں دیوار سے ٹکا لیتی ہیں اور ڈھلوان سل پر غلّہ ڈال کر دونوں ہاتھ سے بٹّہ کو پکڑ کر رگڑتی ہیں اور ہر جنبش پر بٹّہ کو

---

[1] استدراک: The Republic, St. Louis James Money

نصف گھما دیتی ہیں۔ یہ طریقہ پیسنے کا سخت اور دیر طلب ہے۔ لیکن عورتیں گا گا کر اس محنت کو اپنے لئے آسان بنا لیتی ہیں۔[1]

روٹی پکانے کے لئے چولھا بنانے کا طریق یہ ہے کہ پتھر کی دو سلیں ۵ انچ کے فاصلے سے دیوار کے پاس قایم کر دیتی ہیں۔ اور ایک پتھر ان کے اوپر رکھ دیتی ہیں جو توے کا کام دیتا ہے۔ اس پر گیلا آٹا پھیلا دیتی ہیں۔

سوپ اسٹون ان عورتوں کے لئے ایک عجیب نعمت ہے۔ کیونکہ آگ سے اس میں شقاق پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی مسطح سل پیسنے کے کام آتی ہے اگر اس میں ذرا عمق پیدا کر دیا جائے تو وہ چراغ اور توے کا کام دیتی ہے اگر اس کو کھود کر نصف دائرہ کی صورت پیدا کر دی جائے تو وہ کھانے کا برتن ہے اور اگر اچھی طرح گولائی ہو جائے تو کارآمد ہانڈی ہے۔ الغرض یہ پتھر بہت مفید چیز ہے اور وحشیوں کا یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے نہ صرف اس پتھر کو دریافت کیا، بلکہ اتنے مختلف کاموں کے لئے موزوں بھی ثابت کیا۔ اسی پتھر کے سلسلے میں عورت نے جو اولین بنیاد کان کھودنے کی ڈالی وہ فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے اور وہ فن سنگ تراشی نظر انداز کیا جا سکتا ہے جو اس نے پتھر سے مختلف اوزار، آلات ظروف بنانے کی صورت میں وحشی عورتوں نے دنیا میں قایم کیا۔

اسی سلسلہ میں استعمال نمک کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ غذا میں نمک کا استعمال کب سے شروع ہوا اوّل اوّل کس نے

---

[1] استدراک، The Republic, St. Louis James Money

اس کو دریافت کیا۔ لیکن یقینی ہے کہ صحرائی جانور انسان سے قبل نمک کے تلاش کرنے اور اس کو چاٹنے یا کھانے کے شایق تھے۔ اسلئے اگر زمانۂ قدیم میں جب کہ انسان نے بہت سی باتیں جانور سے حاصل کیں، نمک کا استعمال بھی اس سے سیکھا ہو تو عجب نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم کے وحشی کھانے میں نمک ڈالتے تھے اور چونکہ عورت کے فرائض میں اول فرض غذا کا تیار کرنا تھا، اس لئے فرض کی ماتحت اس کو نمک مہیا کرنا بھی لازم تھا[1]

کہا جاتا ہے کہ میکسیکو میں عورتیں اُن جھیلوں سے جو شور ہیں پانی لاتی تھیں اور اُسے جوش دیتی تھیں اور اس طرح جو نمک نکلتا تھا اُسے ٹکیوں کی صورت میں جما کر محفوظ رکھتی تھیں۔ اس امر کا ثبوت کہ عورتیں ہی اس کام کو کرتی تھیں یہ ہے کہ نمک کی پیداوار بھی ایک دیوی ہی سے منسوب سمجھی جاتی تھی اور ہر سال ایک مخصوص مہینے میں اس دیوی کی یاد یا پرستش میں محفل نشاط قائم ہوتی تھی جس میں عورتیں یا لڑکیاں رقص کرتی تھیں۔

وادی اوہیو (Ohio) کے قریب جو چشمے نمک کے ہیں اُن کے پاس بہت سے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے پائے گئے ہیں۔ یہ برتن زمانۂ قدیم کی عورتوں کے ہیں جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ اُن پر ٹوکریوں کی بناوٹ کے نشان موجود ہیں (اور اس سے قبل ثابت کیا جا چکا ہے کہ زمانۂ قدیم کی عورتیں

---

[1] استدراک: Bancrofi's "Native Races"

ٹوکریوں پر مٹی چڑھا کر برتن بناتی تھیں، اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہو کہ اوہیو کے قرب وجوار کی قومیں کسی زمانہ میں بننا، برتن بنانا، نمک تیار کرنا سب کام کرتی تھیں[۱]

واشنگٹن کے نیشنل میوزیم میں تمام اُن درختوں کو فراہم کرکے محفوظ کیا گیا ہو جنکو زمانۂ قدیم کی عورتیں غذا کے کام میں لاتی تھیں، اسی طرح لندن کے رائل گارڈنس میں ایک عجائب خانہ قایم ہو جس میں پیداوار صحرا کے لحاظ سے مختلف فنون کی تاریخ بتائی گئی ہو۔

وسط کلیفورنیا کی یوکایا عورتوں کا حال پاورس لکھتا ہو کہ

"وہ غلہ کے لئے زراعت بھی کرتی تھیں لیکن اُن کے پاس ہل نہ تھا بلکہ زمین کو کسی نوکدار چیز سے کھود کر مٹی کو ہاتھ سے ملتی تھیں اور بہت باریک کر دیتی تھیں۔ ہر چند اس طرح صرف تھوڑا سا رقبہ قابل زراعت بن سکتا تھا، لیکن پیداوار کثرت سے ہوتی تھی"[۲]

لیوسن کا رنے برسوں کی تحقیق ومطالعہ کے بعد شمالی امریکہ کی عورتوں کے اکتشافات زراعت وغیرہ کے متعلق معلوم کئے ہیں وہ لکھتا ہو کہ

"یہ صحیح ہو کہ زراعت کے کاموں میں مرد بھی عورت کی کچھ نہ کچھ مدد ضرور کرتے تھے، لیکن یہ عورت ہی کی ذہانت تھی جس نے زراعت

استدراک: [۱] Sellers, Pop. Scimonth. N. Y..

[۲] Cont. N. A Ethnol Wash, 1877

سکے لئے آگ کی مدد سے جنگل کو صاف کرنا اختیار کیا۔ عورتیں ہی
زمین صاف کرتی تھیں، بیج بوتی تھیں اور اُس وقت تک کہ غلّہ
پک نہ جائے کھیتوں سے خس و خاشاک دُور کرتی رہتی تھیں،
اس حال میں کہ ان کی مدد کے لئے نہ بیل تھے نہ گھوڑے اور
نہ کوئی دوسرا جانور"[1]

ارض فلسطین میں اب بھی عورتیں ہی غلہ بونے، کاٹنے، اور کوٹ کر بیج نکالنے
کی خدمت انجام دیتی ہیں[2]۔

ہر چند اب یہاں زمانۂ قدیم کی سی مصروفیت عورتوں میں نہیں پائی جاتی لیکن
پھر بھی کنوئیں، کھیت، خرمن وغیرہ عورتوں ہی سے آباد نظر آتے ہیں۔

جزیرۂ بورنیو میں جنگل صاف کرنے کے وقت عورت بھی مرد کی پوری مدد
کرتی ہے۔ مرد بڑے بڑے درختوں کو کاٹتا ہے اور عورت چھوٹے چھوٹے پودوں
کو اسکے بعد آگ لگا دی جاتی ہے۔ جب زمین ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو مرد اُسے
کھودتے ہیں اور عورتیں بیج ڈال کر پانوں سے دباتی جاتی ہیں۔

ڈیاک قوم میں قبل اسکے کہ کھیت پختہ ہوں، عورت کو بہت سے کام کرنے
پڑتے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ مشکل کام نرانا ہے۔ جب کھیت پک جاتے
ہیں تو مرد عورت اور بچے سب مل کر کھیت کاٹ لیتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی

استدراک:۔

[1] Lucien Carr, Geol. Survey

[2] Thomson, The Land and the Books

زراعت کے بہت سے کام عورت انجام دیتی ہے اور وہ کاشتکار جو بدقسمتی سے کوئی عورت نہیں رکھتا، ناکامیاب کاشتکار ثابت ہوتا ہے۔

مشرقی افریقہ میں ٹیٹا عورتیں بالکل زراعت پیشہ ہیں وہ زمین کو اپنے بھدے اوزار سے کھودتی ہیں اور صرف انگلیوں سے مٹی ہٹا کر بیج ڈال دیتی ہیں۔ لیکن زمین اس قدر زرخیز ہے کہ سال میں چار چار فصلیں تیار ہو جاتی ہیں اور کثرت سے غلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں کی عورتیں نہ صرف زراعت کے تمام کام انجام دیتی ہیں، بلکہ بازار میں جاکر خرید و فروخت بھی کرتی ہیں۔ اور جنگ کے زمانہ میں جاسوسی بھی کرتی ہیں[1]

زمانۂ قدیم میں علاج کرنے والوں کے دو طبقے تھے، ایک طبقہ جھاڑنے پھونکنے والوں کا تھا اور دوسرا عطائیوں کا۔ اوّل طبقہ میں عورتیں بھی شامل تھیں، دوسرا طبقہ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے اپنے تلاش و تجربہ سے جنگلی بوٹیوں کے افعال و خواص معلوم کر لئے تھے،، اب بھی افریقہ کے جنوبی مقامات میں جو عورتیں صحرا کی پیداوار فراہم کرتی ہیں وہ سانپ کی جڑی بوٹی اپنے پاس رکھتی ہیں۔ کلیفورنیا میں ایک خوشبودار بیل صنوبر کے درختوں پر چڑھی ہوئی نظر آتی ہے، جو بہت سے امراض کے لئے مفید بتائی جاتی ہے۔ اس کا عرق تھوڑی مقدار میں مخرج بلغم ہے اور زیادہ مقدار میں مسکّن، اس لئے امراض ریہ اور بخار کے لئے مفید ہے اس سے اسقاط حمل بھی ہو جاتا ہے۔ امریکہ کے نیشنل میوزیم میں بہت سعی کے بعد وہ دوائیں

استدراک ا۔

[1] French Sheldon, J. Anthrop. Inst.

فراہم کی گئی ہیں جن سے وحشی قومیں علاج کرتی تھیں[۱]۔

افریقہ کے مغربی ساحل پر جو وحشی قومیں آباد ہیں ان کی عورتیں اب بھی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے میں بہت مشاق ہیں اور بعض اوقات مہلک امراض کے دور کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتی ہیں[۲]۔

زمانہ نے جب فطری و اصلی حالت سے صناعت کی طرف ترقی کی جو ارتقاء کی صحیح رفتار ہے تو اس میں وہ زمانہ خاص ہے جب مویشیوں کے پالنے کا رواج شروع ہوا۔ وہ ممالک جن میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے وہاں کی قومیں آج بھی بدستور وحشت کی حالت میں دیکھی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے صحرائی جانوروں کو مانوس کرنے کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اُن کے چھوٹے بچے پکڑ کر گھر لائے جاتے تھے جن کو عورت پالتی تھی، یہاں تک کہ بسا اوقات خود اُسے اپنا دودھ پلانا پڑتا تھا۔ اسکیمو کی عورتیں لومڑی کے بچّوں کی پرورش کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو جاتے ہیں اور اُن کا چمڑا استعمال کے قابل ہو جاتا ہے۔ پوبلو قوم کی عورتیں چیل اور شکرے وغیرہ کو صرف اُن کے پر حاصل کرنے کے لئے پالتی ہیں۔ گائنا کی وحشی اقوام میں کوئی جھونپڑا ایسا نہ ہوگا، جس میں صرف پر حاصل کرنے کے لئے مختلف قسم کی چڑیاں پلی ہوئی نظر نہ آئیں[۳]۔

بڑے بڑے جانوروں میں سے جو جانور اُون اور دُودھ مہیا کرتے ہیں۔

---

[۱] استدراک، Mason's Wn's Share in Pr. Culture.

[۲] Women of All Nations

[۳] Payne, Hist. of America

اُن کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس وقت سے اُن کے پالنے کا رواج شروع ہوا۔ لیکن موجودہ وحشی اقوام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عورتوں کو ایسے جانوروں کے ساتھ زمانۂ قدیم سے وابستگی چلی آئی ہے اور اب بھی عورتیں ہی خصوصیت کیساتھ اُن کی پرورش میں مصروف پائی جاتی ہیں مثلاً ان کی جنگلی قوموں میں گھوڑوں کو چراگاہ میں لے جانا رات کو گھر لا کر انھیں پتیاں وغیرہ کھلانا عورت ہی کے سپرد ہے

جزیرۂ ہوائی میں مچھلیوں کے پالنے کا عام دستور تھا۔ اُن ساحلی مقامات پر جہاں سمندر کا پانی اِدھر اُدھر نکلتا تھا عورتیں انھیں گھیر کر کھود کر تالاب یا حوض کی صورت میں تبدیل کر لیتی تھیں اور پانی کے منفذ پر بانس کی چٹائیں رکھدیتی تھیں تاکہ پانی ان کے مسامات سے آ سکے لیکن مچھلیاں سمندر میں واپس نہ جا سکیں یہ منظر اکثر دیکھا جاتا تھا کہ عورتیں کمر کمر تک پانی اور کیچڑ میں کھڑی ہوئی اُن حوضوں کو صاف کر رہی ہیں۔ مرد کا کام صرف یہ تھا کہ وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر ان حوضوں میں ڈالتا رہے۔[1]

فن تعمیر کے ابتدائی مدارج پر جب غور کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حفاظت اور سایہ کی جس کو ضرورت محسوس ہوئی عورت تھی؛ نہ اس لحاظ سے کہ خود اس کو ضرورت تھی بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ اُسے اپنے بچوں کو محفوظ رکھنا لازم تھا۔

سب سے پہلے انسان نے غاروں کے اندر پناہ لینا سیکھا۔ اس کے بعد جب باہر

استدراک ۔

[1] Wood, Uncivilized Races

جری میں وہ شکار کرنے لگا تو کھالوں کے خیمے بنائے جانے لگے جو ابتدا سے انتہا تک صرف عورت کا کام تھا۔ یقیناً جب مٹی کے مکانات تعمیر ہونے کا زمانہ شروع ہوا تو اس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک تھے لیکن جب تک پتیوں، چھالوں اور کھالوں کے جھونپڑے کا رواج رہا۔ اسوقت تک صرف عورت ہی کی ذہانت صرف ہوتی ہی

افریقہ کی بعض قوموں میں اب بھی جب مکان تیار ہو جاتا ہے تو اُس کی چھپوں اور دیواروں پر گوبری کرنا عورت ہی کے سپرد ہے۔ ہندوستان میں بھی عورت ہی اس کام کو انجام دیتی ہے۔

جزیرۂ انڈمان میں ہلکے ہلکے سفری خیمے نصب کرنا عورت کے فرایض میں ہے۔ یہ خیمے یا جھونپڑیاں دوشیزہ اور منکوحہ عورتوں کے لئے الگ الگ ایک خاص ترکیب کے ساتھ قایم کی جاتی ہیں[1]

ڈاکٹر اسنا ئیڈر نے کلیفورنیا میں دیکھا ہے کہ جب مرد اپنی پتھر کی کلہاڑیوں سے کسی درخت کے تنے پر ضرب پہنچاتے ہیں تو عورتیں اپنے سنگین چاقوؤں سے چھال کو الگ کرتی جاتی ہیں یہاں تک کہ تنہ کٹ جاتا ہے اور درخت گر جاتا ہے ڈاکٹر موصوف نے پتھروں کی کھرپیوں سے درختوں کے تنوں کو کشتیاں بنانے کے لئے کھودتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

عورتوں کی ذہانت و فراست محنت و جفاکشی کی مثالیں ہیں وہ چرمی خیمے بھی

استعمال کئے۔

[1] Man, Andaman Islanders

پیش کئے جا سکتے ہیں جو مسطح حصص ملک میں نصب کرنے کے لئے وہاں کی عورتیں تیار کرتی ہیں یہ خیمے بھینس کی کھالوں سے مخروطی شکل کے بنا لئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ کھالوں کو صاف کرتی ہیں جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے اس کے بعد متعدد کھالیں لے کر ان کو کاٹتی ہیں اور پھر سب کو سی کر چھتری کی شکل تیار کرتی ہیں۔ ایک جانب کھلا رکھا جاتا ہے۔ جو خیمہ نصب کرنے کے بعد صرف فیتوں کے ذریعہ سے کس دیا جاتا ہے اور نیچے کا تھوڑا سا حصہ آنے جانے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں دروازہ بھی چمڑے کا لگایا جاتا ہے۔ اگر موسم خراب ہوتا ہے تو اس دروازہ کو بھی اچھی طرح کس دیتی ہیں۔ خیمہ نصب کرنے کے لئے پہلے زمین اچھی طرح صاف کر لی جاتی ہے اور اُس پر خیمہ بچھا دیا جاتا ہے اسکے بعد تین بانس جن کے سرے آپس میں بندھے ہوتے ہیں پھیلے ہوئے خیمے کے اندر ڈال کر اٹھائے جاتے ہیں جس سے خیمہ بلند ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد بانسوں کے نیچے کے حصہ کو جہاں تک ممکن ہوتا ہے پھیلا دیا جاتا ہے تاکہ کھال اچھی طرح تن جائے۔ جب اُس خیمے کو گرانا مقصود ہوتا ہے تو پھیلے ہوئے بانسوں کو سرکا کر ایک جگہ کر لیا جاتا ہے اور اسطرح خیمہ خود اپنے بوجھ سے گر جاتا ہے۔ صرف دو عورتیں پانچ منٹ میں خیمے کو نصب کر دیتی ہیں اور تین چار منٹ میں اکھاڑ ڈالتی ہیں[۱]۔ اس دور تہذیب و ترقی میں جو صورت خیموں کی نظر آتی ہے وہ بالکل وہی ہے جو زمانۂ وحشت میں تھی اور اس میں کوئی اضافہ سوائے اسکے استدراک ۱۔

---

[۱] Dodge, Our Wild Indians 1883

نظر نہیں آتا کہ کھال کی جگہ اب کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔

لوچیو کی عورتیں سخت محنت کرنے والی ہیں ۔ یہ علاوہ گوشت بنانے اور کھال صاف کرنے کے لکڑیاں بھی کاٹتی ہیں پانی بھی لاتی ہیں اور گھر کا سارا انتظام ان ہی کے سپرد ہے۔ سفر کے وقت خیمے اکھاڑ کر لپیٹنا، سارا اسباب اکٹھا کرنا اور پھر اپنی پیٹھ پر لادنا عورت ہی کا فرض ہے۔ مرد بالکل خالی ہاتھ صرف شکار کرنے کے ہتھیار لئے ہوئے آگے آگے ہوتا ہے۔ موسم گرما میں شکاری کشتیوں کے اندر مرد بیٹھ جاتے ہیں اور عورتیں اُن پر سارا اسباب لاد کر نہایت محنت سے کشتیوں کو اس جگہ تک لے جاتی ہیں جس کو مرد نے اپنے قیام کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

عورت کا جو تعلق آگ کے ساتھ ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ عورت نے عام طور سے روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ آگ کو نہیں بنایا اور غالباً اس میں خدا کی مصلحت شامل حال تھی ورنہ وہ رات کو بھی آرام نہ کرتی اور کام کرتے کرتے اپنی جان دے دیتی تاہم بعض مقامات میں (مثلاً جزیرۂ انڈمان) عورت مشعل بنا کر رات کو مچھلی کا شکار اور سفر کرنے کے لئے آسانیاں بہم پہونچاتی تھی[1]

خانہ داری کی زندگی میں کپڑے دھونے کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے اور اس کی قدامت کا پتہ متھیوز کی اُس روایت سے چلتا ہے جو اس نے نواجو قوم کے ایک شخص کی بابت بیان کی ہے کہ اُس کے بیٹے شکار کرنے میں ناکامیاب رہتے تھے اسلئے اُس نے حکم دیا کہ وہ کسی گرم جگہ میں بند کر دیئے جائیں تاکہ خوب پسینہ نکلے

استدراک:۔

[1] Man, Andaman Islanders.

چار دفعہ یہی عمل ہوا۔ اسکے بعد اسنے اپنی لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ چھالیں لائیں۔ جن سے جھاگ پیدا ہوتا ہی۔ چنانچہ ایسی چھالیں لائی گئیں اور ان کے جھاگ سے لڑکوں نے اپنے بدن اور کپڑے اچھی طرح دھوئے۔

اوزار یقیناً مشین سے پہلے کی چیزیں ہیں۔ اور مشین ان ہی کی ارتقائی صورت ہی۔ پھر دیکھو کہ سِل جس پر آٹا پیسا جاتا تھا، اوزار ہی تھی۔ جن پتھر کے ٹکڑوں سے زمین کھود کر جڑیں وغیرہ فراہم کی جاتی تھیں، وہ بھی اوزار ہی تھے اور اسی طرح بہت سے پارہائے سنگ جن سے مختلف کام لئے جاتے تھے اوزار ہی تھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی متحقق ہی کہ یہ اوزار زیادہ تر عورتوں ہی کے استعمال میں تھے پھر اگر موجودہ مشین کی دُنیا وحشی عورتوں کے احسانات کو فراموش کر سکتی ہی تو فراموش کر دے، لیکن کائنات کی وہ تاریخ جو صفحاتِ فطرت میں منقوش ہی ان واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور جب تک یہ دنیا قایم ہی اسوقت تک وہ قدیم وحشی عورتوں کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

مسٹر ڈال[۱] ایک اسکیمو عورت کی روزانہ زندگی کا حال بیان کرتا ہی کہ جاڑوں میں وہ علی الصباح اُٹھتی ہی اور لکڑی کے برتن سمیٹ کر ایک جگہ رکھتی ہی اسکے بعد وہ چولھے کو دیکھتی ہی کہ اس میں آگ ہی یا نہیں۔ اگر آگ ہوئی تو لکڑیاں اسپر رکھدیتی ہی اور گھر والوں کو بیدار کرتی ہی۔ پھر وہ پانی لاتی ہی اور بستر وغیرہ لپیٹ کر اُس وقت تک کہ گھر والے اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں ہرن کا

[۱] استدراک: Mr. Dall, an American Naturalist

گوشت یا مچھلی تیار کر لیتی ہو اور مرد کھا پی کر شکار کو چل دیتے ہیں اور عورت برتنوں
کو صاف کر کے ملبوس کے لئے کھالیں درست کرنے اور ان کو قطع کر کے سینے
میں مصروف ہو جاتی ہو۔ دوپہر کو کچھ لوگ آ جاتے ہیں اور اُن سے بات چیت
ہوتی ہو اگر کوئی مہمان آ جاتا ہو تو وہ عزت سے ایک جگہ بٹھا دیا جاتا ہو اور عورت
اُس کے جوتے اپنے ہاتھ سے اُتارتی ہو اور کچھ کھانے کو پیش کرتی ہو مہمان
دیر تک خاموش بیٹھا رہتا ہو اور پھر اپنے سفر کا حال اپنے گانوں کے حالات
آہستہ آہستہ کہنا شروع کرتا ہو۔ بعد غروب آفتاب آگ روشن کی جاتی ہو اور
عورت چھت پر جا کر شکار سے واپس آنے والے مردوں کا انتظار کرتی ہو جب مرد
آتا ہو تو عورت خاموشی کے ساتھ اُسکی پذیرائی کرتی ہو اسکے ہتھیار جسم سے
علحدہ کرتی ہو اور جوتے اُتار کر خشک ہونے کے لئے رکھدیتی ہو۔ اس کے بعد
مرد کو کھانا دیتی ہو کھانا سب مل کر کھاتے ہیں اور صرف عورت اُن کو کھلاتی ہو
پھر آتشدان روشن کیا جاتا ہو جب آگ کم ہو جاتی ہو تو عورت اسکے کوئلے
الگ کر دیتی ہو بستر بچھاتی ہو اور مرد آرام کرتا ہو۔

گائینا کی عورتیں گھر صاف کرتی ہیں پانی اور ایندھن لاتی ہیں کھانا پکاتی
ہیں بچوں کی خدمت کرتی ہیں، کھیت بوتی ہیں، کاٹتی ہیں، اور جب مرد سفر کرتے
ہیں تو ضروری اسباب بڑے بڑے ٹوکروں میں رکھکر اپنی پیٹھ پر لادتی ہیں۔ اگر
وقت بچتا ہو تو وہ سوت کاتتی ہیں اور اپنے بچوں کے لئے گہوارے اور بستر تیار
کرتی ہیں جب دن ختم ہونے کے قریب ہوتا ہو تو وہ اپنے بچوں کے گہوارے
کے نیچے آگ روشن کرتی ہیں اور مرد کہانیاں شروع کرتے ہیں۔ اس کہانی کے

بیچ میں سب سو جاتے ہیں لیکن اگر عورت جاگ کر آگ کو درست کرنے کے لئے اُٹھ بیٹھتی ہے تو کتے بھونکنے لگتے ہیں اور بچے جاگ کر چیخنے اور رونے لگتے ہیں جسکو سنکر مرد پھر جاگ اُٹھتے ہیں اور کہانی شروع کر دیتے ہیں۔

آسٹریلیا میں جس طرح عورتیں جنگل کی پیداوار جمع کرنے کی خدمت انجام دیتی ہیں اسی طرح دریا اور سمندر کی پیداوار بھی فراہم کرتی ہیں وہاں ایک دریائی گھاس ہوتی ہے جو پانی کی تہ میں پائی جاتی ہے اس کو صرف عورت ہی مہیا کرتی ہے وہ ایک جال لے کر غوطہ لگاتی ہے اور کئی کئی منٹ تک نیچے رہ کر اس گھاس کو جمع کرتی ہے۔ اسی طرح مچھلیوں کا شکار کرنے میں وہ بہت مشاق ہے اور سال میں آٹھ مہینے وہ اسی مشغلے میں صرف کرتی ہے۔

جزیرۂ فلیپائن میں عورتیں بنتی ہیں۔ کاتتی ہیں، برتن بنا کر بیچتی ہیں اور پانی سے نمک نکالتی ہیں۔ یہاں ٹوکریاں بنانا مردوں کے سپرد ہے۔ زراعت کے کاموں میں مرد اور عورت برابر کی شریک ہیں۔ لیکن دھان کی کاشت صرف عورت کا کام ہے۔ مرد اس میں ہاتھ نہیں لگاتا۔

زولو قوم افریقہ کے وحشی اقوام میں بہت ذہین ہے اسکے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت دیگر اقوام کے ان میں صناعات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ جو خصوصیت کے ساتھ عورتوں ہی سے وابستہ ہیں۔ زراعت کا دارومدار عورت پر ہونا تو بہت عام اور معمولی بات ہے لیکن معاشرت پر بھی یہاں کی عورتوں کا بڑا اثر ہے ان کی عورتیں علاوہ تمام انتظام خانہ داری کے مکان بھی خود تیار کرتی ہیں اور صحرائی جڑی بوٹیوں، سحر و افسوں سے علاج کرنے اور پیشنگوئیاں

کرنے میں بہت مشاق ہیں۔

پوبلو (Peublo) کی عورتیں بھی اپنے لئے وہی مشاغل رکھتی ہیں جو عام طور سے ہر جگہ عورت کے سپرد ہیں۔ لیکن یہاں اسکے لئے بہت دقتیں ہیں۔ چونکہ ریگستانی حصہ زمین میں رہتی ہیں اسلئے وہ برتن بھی مٹی کے تیار نہیں کر سکتیں، لکڑی کے برتن بھی نہیں بنا سکتیں کیوں کہ یہاں ایسے درخت نہیں ہوتے جن کی لکڑی یہ کام دے سکے، گھاس البتہ کثرت سے ہوتی ہے۔ لیکن عورت نے اس گھاس سے اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کیا۔ یہاں کی عورتیں اس گھاس سے خانہ داری کی تمام چیزیں طیار کرتی ہیں۔ کھانے پکانے کے برتن غلہ صاف کرنے کے لئے سوپ اور چھلنی، بچھانے کے لئے چٹائیاں اور کپڑے، پانی بھرنے کے گھڑے سب اسی گھاس سے بناتی ہیں۔

جزیرہ ماوڑی (نیوزیلینڈ) کی قدیم عورت بھاپ کے ذریعہ سے کھانا پکاتی تھی ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ روشن کی جاتی تھی اور پتھر کے ٹکڑے اس میں ڈال کر گرم کئے جاتے تھے، جب پتھر سرخ ہو جاتے لگتے تو آگ علیحدہ کر کے ان پر پانی چھڑک دیا جاتا اور اس طرح جو بھاپ نکلتی تھی انہیں گوشت پتوں میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا۔ یہاں کی عورتیں پکی ہوئی غذاؤں کو چربی کے اندر عرصہ تک محفوظ رکھتی تھیں۔ یہاں خاص خاص تقریبات کے موقع پر بڑی بڑی دعوتوں کا رواج تھا تمام اطراف و جوانب کے گاؤں والے طلب کئے جاتے تھے اور آٹھ آٹھ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور ان دعوتوں کا انتظام بالکل عورتوں کے سپرد ہوتا تھا۔

اسکیمو کے لوگ زمانۂ قدیم میں قطب شمالی سے بہت قریب رہتے تھے جہاں مسلسل چھ ماہ تک برفباری اور کہر کی وجہ سے رات سی رہتی ہے۔ اکثر حصۂ زمین کا بے برگ وگیاہ تھا اُس وقت عورت صرف ہڈی اسینگ اور ہاتھی دانت کے برتن تیار کرتی تھی اور اس کی فراہمی غذا کا خرچ صرف مچھلیوں اور جانوروں سے پورا ہوتا تھا کھانا پکانا، کپڑا بُننا موسم کے لحاظ سے سرد و گرم ملبوس تیار کرنا کشتیاں بنانا، گھر کو آراستہ کرنا، کھالیں سنوارنا، کتوں کو پالنا صرف عورت کے سپرد تھا۔ گرمیوں میں اسکیمو کی عورتیں صرف خیموں میں رہتی تھیں اور ایام سرما میں گھروں کے اندر، یہ گھر دو قسم کے ہوتے تھے۔ زمین کے اندر مستقل مکانات اور برف کے اوپر عارضی جھونپڑے۔ چونکہ دونوں قسم کے مکانات میں اکثر اوقات روشنی کی ضرورت ہوتی تھی اسلئے اسکیمو کی عورت نے چراغ کو اختراع کیا جس سے روشنی اور چیزوں کے خشک کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

جزیرہ فجی کی عورت کسی زمانہ میں اپنی مصروف زندگی اور شدید محنت کے لئے مشہور تھی۔ مسٹر بلائیتھ (Blythe) ایک سیاح کا واقعہ لکھتے ہیں کہ وہ ایک کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کر رہا تھا، بارش بہت تیز ہو رہی تھی اُس نے دُوسرے ایک کشتی کو دیکھا جس پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا لیکن کشتی کو کھینے والا کوئی نہ تھا اس کو تعجب ہوا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کشتی سے کچھ فاصلہ پر ایک سیاہ دھبہ نظر آرہا ہے یہ ایک عورت کا سر تھا جو داہنے ہاتھ کی جنبش سے دریا کو عبور کر رہی تھی اور دانت میں بائیں ہاتھ کے سہارے سے کشتی کی رسّی پکڑے ہوئے لئے جارہی تھی۔ یہ اس مرد کی بیوی تھی جو کشتی میں نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عورت مرد کے لئے کیا کیا قربانیاں ہیں کر سکتی درانحالیکہ تم زمانۂ قدیم کی کسی تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہ پاؤ گے کہ مرد نے عورت کی شدید ترین تکلیف کو اپنے تخفیف سے جنبش جسم سے بھی کم کرنے کی کوشش کی ہو۔

آسٹریلیا میں کسی وقت عورت کی خدمات بہت زیادہ وسیع اور محنت طلب تھیں جنگلی درختوں کی جڑیں اور پتیاں جمع کرنا اُن سے جھونپڑے بنانا، گھر کا سارا اسباب اِدھر سے اُدھر اپنی پیٹھ پر منتقل کرنا سب عورت کا کام تھا جب قافلہ سفر کرتا تھا تو مرد آگے آگے خالی ہاتھ چلتا تھا اور عورت پیچھے پیچھے ہوتی تھی اس حال میں کہ اس کا کوئی عضو، کوئی عصب، کوئی عضلہ ایسا نہ ہوتا تھا جو کسی بوجھ سے متاثر و متاذی نہ ہو۔ منزل مقصود پہ پہنچ جانے کے بعد بھی اسکو آرام نصیب نہ ہوتا تھا۔ وہاں وہ سب سے پہلے زمین میں لکڑیاں نصب کرکے جنگل کے پتے فراہم کرتی تھی اور جھونپڑا تیار کرکے مردوں کی آسائش کا انتظام کرتی تھی۔ اسکے بعد وہ فراہمی غذا میں مصروف ہو جاتی تھی، جو ایک مستقل محنت تھی جنگل سے جڑیں، پتیاں جمع کرکے لانا، پھلیوں کو ہاتھ پاؤں سے مل کر بیج نکالنا قصل اور زہریلی بیلوں کو علیحدہ کرنا اور پھر مختلف طریقوں سے آگ روشن کرکے اس کو پکانا، جس قدر محنت طلب ہے محتاج بیان نہیں۔

اسکیمو کی مذہبی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں بہن بھائی ہیں۔ اور بہن (یعنی چاند) ہمیشہ اپنے بھائی سورج کا تعاقب کیا کرتی ہے چاند کی شادی کم سنی میں ایک طائر سے کر دی گئی تھی، جب اُس نے برا سلوک

کیا تو چاند نے اپنے باپ کے ساتھ بھاگ کر نکل جانے کی کوشش کی، چڑیوں نے سمندر میں ایک طوفان برپا کر دیا اور اُس کشتی کو جس میں وہ اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی جا رہی تھی، تباہ کر دینا چاہا۔ باپ نے یہ دیکھ کر چاہا کہ اپنی بیٹی کو دریا میں پھینک دے لیکن وہ کشتی کے کنارے سے لپٹ گئی۔ باپ نے اس کی انگلیوں کی پوریں ایک ایک کر کے کاٹ ڈالیں، پہلی پوروں سے ڈیل مچھلیاں بنیں دوسری پوروں سے سیل مچھلی اور تیسری پوروں سے تہہ میں رہنے والی مچھلیاں۔ اسکے بعد وہ خود بھی پانی کے اندر گر کر ڈوب گئی اور اُس وقت وہ زیرِ آب مخلوق پر جو اُسی کے اعضا سے بنی ہے، حکمران ہے۔¹ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکیمو عورت کی معاشرتی زندگی زمانہ قدیم میں کیا تھی اور اس کا تعلق دریائی پیداوار سے کس قدر تھا اور مچھلیوں کے ساتھ محض اسلئے کہ وہی زیادہ تر ذریعہ پرورش تھیں، اُن کا خیال احترام کس حد تک وابستہ تھا

ہندوستان میں طبقہ متوسط کی عورتیں جن فرائض کو روزانہ انجام دیتی ہیں وہ بھی قریب قریب وہی ہیں جن کو اسکیمو آسٹریلیا، افریقہ یا دیگر حصص زمین کی محنتی عورتیں سرانجام دیتی ہیں۔ تڑکے اُٹھنا، جھاڑو دینا، برتن صاف کرنا، بستر لپیٹنا آگ روشن کرنا۔ کھانا تیار کرنا، سینا، پرونا، بچوں کی خدمت کرنا اور پھر سب سے بڑھ کر مردوں کے ناز اٹھانا۔ اگر ان میں سے ہر ایک کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عورت کا وجود نظام کائنات کے لئے کس قدر ضروری ہے اور وہ مردوں کیلئے

---

¹ Women of all Nations. [illegible]

اس دنیا میں کیسی رحمت ہے اگر ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کو دیکھا جائے تو اُن تمام خدمات کے علاوہ اُسے زراعت کا کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اس میں جس قدر محنت عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہے اُس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے جو عورتیں مزدوری کرتی ہیں ان کو گھر کے تمام کاموں کے علاوہ دن بھر بوجھ لاد کر اِدھر سے اُدھر لے جانا پڑتا ہے جو اُن کے جسم کی نازک ساخت کو دیکھتے ہوئے بہت دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا روز کا تجربہ ہے کہ وہ نہایت صبر و تحمل سے ان تمام محنتوں کو برداشت کرتی ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنے مردوں کی خدمت اور اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح کر سکیں۔

انسانی فطرت کے دو پہلو ہیں ایک متعلق بہ مادہ دوسرا متعلق بہ روحانیت جن میں مرد و عورت فطرتاً برابر کے شریک ہیں لیکن جن جذبات سے متاثر ہو کر مرد و عورت نے دنیا میں کام شروع کیا ہے اُس میں نہایت نازک فرق ہے۔ عورت فطرتاً نازک دل، رقیق القلب واقع ہوئی ہے۔ اس لئے جو جذبات اسکے اندر پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق خود اس کی ذات سے کم اور دوسروں کی ذات سے زیادہ ہوتا ہے۔ برخلاف مرد کے کہ اس کے جذبات میں خود اُس کے داعیاتِ نفس زیادہ شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے عورت کا باوجود اس کے کہ وہ نازک جسم رکھتی ہے۔ باوصف اس کے کہ وہ زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتی) زمانۂ قدیم سے اس قدر محنت کرنے کا عادی رہنا صرف اس بنا پر کہ وہ اپنے جذبات سے مجبور ہے اور ایثار و رواداری اس کی فطرت میں داخل ہے۔

بچّوں کے ساتھ جو تعلق ماں کو ہوتا ہے باپ کو نہیں ہوتا اس لئے اگر عورت اپنے بچوں کو آرام پہونچانے کے لئے زیادہ بیقرار و مضطرب نظر آتی ہے تو یہ اک نوع کا فطری اجبار ہے جس کا مقابلہ کوئی دنیاوی مصلحت نہیں کر سکتی جانوروں میں بھی مادہ بہ نسبت نر کے زیادہ محنت کرتی ہے اپنے بچوں کے لئے غذا فراہم کرنے کی خدمت وہی انجام دیتی ہے اور یقیناً نظامِ فطرت ہے کہ اس نے عورت کے دل کو اس قدر حساس پیدا کر کے دنیا کے کاروبار میں اس کو مرد کے دوش بدوش کام کرنے کا اہل بنا دیا۔ زمانۂ حال کے ہنگامۂ ترقی میں جو یکسر جلوۂ مادّہ ہے عورت کی فطرت کا وہ روحانی پہلو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ جس نے سب سے پہلے ترقی مادہ کی بنیاد عالم میں ڈالی اور مرد اپنے علم و قوت کے زعم میں اس حقیقت کو بالکل فراموش کئے ہوئے ہے کہ دنیا کے یہ تمام علوم و فنون کس طرح پیدا ہوئے۔ کائنات کی یہ ساری زیبائش و آرائش کیونکر رونما ہوئی۔ اگر عورت مرد کے پہلو میں اعانت کرنے والی نہ ہوتی اگر مرد اپنی زندگی کی راہ قطع کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ اس سوال کا جواب بہت آسان ہے اگر عورت کی تاریخ قدیم کو پیش نظر رکھ کر اس کی خدمات، اس کے فراست و ذہانت کے کارناموں اور اسکی شب و روز کی سخت محنتوں کو سمجھا جائے۔

جس وقت عورت دنیا میں آئی اسی وقت سے اُسنے مرد کے ساتھ ساتھ سوچنا شروع کیا کہ زندگی کیونکر بسر کی جا سکتی ہے اور اس وقت تک کہ اسکے کوئی اولاد نہ تھی وہ اور مرد دونوں اس نکتۂ مساوات کا درجہ رکھتے تھے لیکن

جس وقت عورت نے اپنی آغوش میں ایک بچہ دیکھا تو اس کی فکر میں بہت زیادہ بیتابیاں پیدا ہو گئیں۔ پھر جب تک ایک بچہ اپنی ہی ماں کا بچہ اور ایک ماں اپنے ہی بچے کی ماں ہے اس وقت تک دنیا کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فطرت کے اس مظہر عظیم اور ترقی کے اس اساس اولین کو نظر انداز کر دے!

ساتویں فصل

عورت اور فنون لطیفہ

اُن فنون و صناعات کی ترقی میں جو لطافت نظر سے متعلق ہیں عورت نے کیا حصہ لیا؟ یہ بھی اک سوال ہے جو موضوع کتاب سے خاص نسبت رکھتا ہے، اور اس باب میں اسی سے بحث کی جائے گی۔

چونکہ زمانۂ قدیم میں اس قسم کے فنون پائے جاتے تھے، اک واقعہ حقیقت ہے جس کو علما و آثار قدیمہ نے پوری طرح ثابت کر دیا ہے اور اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ قدیم زمانہ کی تمام اُن اقوام کی نسبت جن کا کچھ بھی حال ہم کو معلوم ہوا ہے۔ یہ امر حفریات سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن میں خوشنما و حسین چیزوں کے تیار کرنے کا رواج تھا۔ ان اشیاء کو دیکھ کر ہم زمانہ قدیم کی حسین صناعات کا اندازہ کر سکتے ہیں، لیکن ان میں تفریق قائم کر کے یہ حکم لگانا کہ وہ صنعت عورت کی ہے اور یہ مرد کی بہت دشوار ہے، کیونکہ بہت سی وہ صنعتیں جو زمانۂ قدیم میں عورت سے متعلق تھیں اب مردوں کے ہاتھ میں آگئی ہیں اور عورت انھیں ترک کر چکی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ حسن صنعت کا کیا مفہوم ہے اور اس کے اسباب اختراع کیا ہو سکتے ہیں؟ یقیناً اوّل اوّل جب انسان نے چیزوں کو اختراع کیا ہوگا تو حسن کا سوال پیش نظر نہ ہوگا، بلکہ صرف ضرورت کا مسئلہ سامنے تھا

اسلئے جو اختراعات انسان نے اول اول کیں، وہ کچھ نہ تھیں مگر یہ کہ فطری پیداوار میں اُسنے کچھ تغیر و تبدل پیدا کر دیا۔ مثلاً ایک پتھر کا ٹکڑا کہ وہ ایک قدرتی پیداوار تھی۔ لیکن انسان نے اس کو نوک دار بناکر شکار کرنے کا آلہ بنا لیا، یا اُس میں عمق پیدا کر کے غلہ کوٹنے کا برتن تیار کر لیا۔ اسلئے حسن صناعت تو فی الجملہ اُن میں موجود تھا۔ کیونکہ یہ اوزار و آلات ضروریات فراہم کرنے میں کافی معاون تھے۔ لیکن صناعت حسن اُن میں نہ پائی جاتی تھی۔ پھر اب دیکھو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے (۱) جس طرح حسن صناعت نام ہے صرف قدرتی پیداوار میں کچھ تغیر و تبدل کر دینے کا۔ اسی طرح صناعت حسن مفہوم ہے اُن مصنوعی اشیاء کی شکل و صورت میں تغیر کرنے کا۔ یا بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صناعات کا حسن ان تنوعات کا نام ہے، جو اشیاء کی ساخت میں انسان کی فطری ذہانت و فراست نے پیدا کئے (۲) چونکہ صناعات میں حسن پیدا کرنا صرف انسان کی دماغی رفتار کا مشکل ہوجاتا ہے اس سلئے ظاہر ہے کہ ایک شے میں تکمیل حسن اسی وقت پیدا ہوگی جب ایک سے زائد دماغوں، ذہانتوں اور فراستوں نے ملکر اسے ترتیب دیا ہو۔ چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اشیاء جن کے حسن میں تنوع پایا جاتا ہے وہی ہیں جن کی ترکیب مختلف دماغوں کے افکار کا نتیجہ ہے معمار صرف ایک خوبصورت مکان تعمیر کر سکتا ہے لیکن جب تک باغبان، ظروف ساز، نقاش، سنجار وغیرہ اپنی صناعات اس میں صرف نہ کریں۔ وہ تعمیر ہمارے لئے تکمیل کے ساتھ جاذب نظر نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جو چیز آج اختراع ہوتی ہے وہ ہزاروں سال کے بعد مکمل ہوتی ہے جب اس کی تکمیل میں مختلف دماغ اپنی محنتوں کو صرف

کر چکے ہیں۔

صناعات میں تخلیق حُسن کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ صنّاع کو اس سے کسی نفع کی توقع ہو۔ اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اسکو کوئی مادی منفعت حاصل ہو (۲) دوسرے لوگ اُس کی تعریف کریں (۳) خود اُسکے قلب کو مسرت حاصل ہو۔ زمانۂ قدیم کے صنّاعین و مخترعین کو بھی منفعت حاصل ہوتی تھی لیکن زیادہ تر صرف تیسری قسم کی یعنی اطمینان و مسرت قلب۔ اگر عورت نے اول اول برتن ایجاد کیا تو اسکا انعام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح کر سکتی تھی۔

صناعتِ حُسن کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ ملک و قوم میں ایک خاص مذاق پیدا ہو جائے اور وہ اس مذاق کی رعایت سے اُس صناع کی قدر و عزت کرے جس سے یہ ذوق پورا ہوتا ہے۔ اس لئے زمانۂ قدیم کی وحشی عورتوں کی طرف سے خیال قایم کرنا کہ انھوں نے صناعاتِ حُسن کے جانب بھی اول اول توجہ کی مہمل ہے کیونکہ اُسے اس قدر فرصت نہ تھی کہ وہ ٹھیکرا اشیاء کی شکل و صورت پر غور کرتی یا کوئی شعر و نغمہ ایجاد کرتی۔ اگر ظروف وغیرہ کے حُسن کا خیال تھا تو صرف اسقدر کہ وہ ضروریات کو پورا کر سکیں اور اگر کوئی شعر و نغمہ تھا تو صرف یہ کہ وہ فرط محبت میں اپنے بچہ سے مخاطب ہو کر کوئی بے اختیارانہ لفظ منہ سے نکالدے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ صناعت نتیجہ تھا صرف مجبوری کا اُس میں اور حسن پیدا کرنے کے لئے کوئی فطری مجبوری نہ تھی۔ صناعت میں حسن پیدا ہوا صرف غور و فکر، تدبر و تامل سے اور اس میں تکمیل ہوئی تجربات و فراہمی اسباب سے جو ایک دن کا کام نہ تھا۔

پھر ان اسباب سے عورت نے کیا کام لیا اور غور و فکر کی فرصت کا مصرف صناعات کے باب میں اُس کے ہاں کیا تھا۔ اس کا جواب ہم کو مختلف اقتباسات سے ملتا ہو اور یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ عورت نے قدرت کی عنایت کی ہوئی کسی فرصت و مہلت کو بیکار نہیں جانے دیا اور اُسنے صناعات حُسن میں بھی مردوں کی اعانت کر کے کائنات کی زیبائش و آرائش میں کافی حصہ لیا۔

ظاہر ہے کہ سب سے پہلے جن چیزوں میں حُسن پیدا کرنے کا خیال عورت کو پیدا ہوا ہوگا، وہی ہوں گی جن کو وہ خود بناتی تھی۔ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ برتن بنانا، ٹوکریاں بننا اور اُن کے بعد سُوت وغیرہ کات کر کپڑے تیار کرنا، یہ تھیں وہ صناعات جو زمانۂ قدیم میں عورت سے مخصوص تھیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انھیں صنعتوں میں حُسن پیدا کرنے کا خیال اول اول عورت کو پیدا ہوا ہوگا۔ حُسن کے نقطۂ نظر سے جب ہم صناعتِ انسانی کا تجزیہ کرتے ہیں تو اسکے تین اجزا ہم کو ملتے ہیں۔ ایک صورت، دوسرے رنگ، تیسرے وضع اور ان تینوں اجزا کے لحاظ سے تین مدارج ہیں۔

(۱) ضروریاتِ زندگی کے متعلق کسی چیز کو بنانا اور کچھ تناسب اُس میں پیدا کرنا، بغیر اس ارادے کے کہ اُس میں حُسن پیدا کیا جائے۔

(۲) کسی چیز میں حُسن قصداً پیدا کیا جائے، لیکن اس حد تک کہ حقیقی مقصود و استعمال اُس چیز کا فوت نہ ہو جائے۔

(۳) کسی چیز میں ایسا حُسن پیدا کیا جائے کہ اس کی تیاری کی غایت زائل ہو جائے اور اسکا مصرف بدل جائے۔

یہ تینوں مدارج ایک مثال سے زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں، ایک نجار، کرسی بناتا ہے اور اس کا مقصود یہ ہے کہ اس پر بیٹھ کر آرام کرے۔ لیکن وہ بناتے وقت اُس کے تناسب کو بھی فی الجملہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ یہ پہلا درجہ ہوا۔ اگر وہ اس کرسی میں قصداً حسن پیدا کرے اور نقش و نگار بنائے تو یہ دوسرا درجہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اسے اس درجہ نازک و سبک بنا دے کہ وہ بیٹھنے کے کام میں نہ آسکے بلکہ صرف دور سے اُسے دیکھا جائے تو یہ تیسرا درجہ ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عورت نے اول الذکر دو مدارج کے طے کرنے میں کافی حصہ لیا اور اس لحاظ سے بھی وہ دنیا میں غیر مفید ثابت نہیں ہوئی۔

بُنی ہوئی چیزوں میں سب سے پہلا حُسن جو ایک وحشی عورت نے پیدا کیا اس کا یکساں ہونا ہے جس طرح موسیقی کی ابتدا ایک ہی آواز کے مسلسل طور سے قائم رہنے اور اُس کے تکرار میں ہے اسی طرح مصنوعاتِ انسانی کا یکساں ہونا اُن کی حُسن کی ابتدا ہے۔

وہ یکسانیت جو وحشی عورت بنی ہوئی چیزوں میں پیدا کرتی ہے اُن کی بناوٹ اور صورت سے متعلق ہے۔ چونکہ زمانہ قدیم میں دستور تھا کہ وہ پہلے الگ الگ ٹکڑے بُنے اور پھر جس شکل کی ٹوکری چاہے تیار کرلے اسلئے ظاہر ہے کہ ٹوکری کی شکل پہلے ہی سے اُس کے ذہن و دماغ میں رہتی ہوگی اور اسی کے مطابق وہ بننا شروع کرتی ہوگی اور یہی خصوصیت، یہی یکسانیت وحشی عورت کی صنعت کا حُسن تھا۔

نمایش چیکاگو میں بہت سی ٹوکریاں رکھی گئی تھیں، ان میں ایک ٹوکری ایسی تھی

کہ سولہویں انچ کی چوڑی پٹی میں اسی ہزار ٹانکے یا پھندے شمار کیے گئے تھے اور وہ سب اس قدر یکساں تھے کہ بڑے بڑے ماہرین فن کو دیکھ کر حیرت ہو گئی۔

ٹوکریوں کو رنگین بنانے کا رواج بھی زمانہ قدیم سے قائم ہے جس کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے۔ علاوہ اس کے ٹوکریوں میں باہمی شکلوں سے جو حسن پیدا کیا گیا وہ اس قدر متنوع، اس قدر عجیب و غریب ہے کہ اب اس میں کسی اضافہ کی گنجائش ہی باقی نہیں اور زمانہ حال کے کپڑا بننے والے جوہری بغیر ان نمونوں کی نقل کر دینے کو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔

اسکیمو کی عورتیں جنگلی گھاس کے درختوں کے ڈنٹھل سے ٹوکریاں بناتی ہیں اور اس میں سرخ قالین کے ٹکڑے ملا کر رنگینیاں پیدا کرتی ہیں۔ جو عورتیں جنوب میں سواحل پیسفک (بحر الکاہل) پر رہتی ہیں وہ جنگلی صنوبر کی باریک جڑوں کو لے کر نہایت ہوشیاری کے ساتھ پھاڑتی ہیں۔ خشک ہو جانے کے بعد ان کا رنگ ہلکا بادامی ہو جاتا ہے۔ اس سے وہ تھیلا بناتی ہیں جس کے اندر پانی نہیں جا سکتا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹوکری کی بناوٹ کیسی ہموار اور یکساں ہوتی ہے۔

ذرا جنوب کی طرف بڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ خود قدرت نے وہاں کی پیداوار کو قدرتی رنگینیوں سے مزین کر رکھا ہے اور عورتیں ان سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

اریزونا میں ایک درخت ہے جس کی پتیاں بیج سے دو ہو جانے کے بعد دو رنگ پیش کرتی ہیں۔ باہر کی جانب سیاہی مائل سبز، اندر کی طرف سپیدی مائل سبز۔ ہوپی قوم کی عورتیں ان دونوں رنگوں کے الٹ پھیر سے نہایت خوبصورت وضع کی ٹوکریاں تیار کرتی ہیں۔

کلیفورنیا اور امریکہ کے دیگر حصص کی عورتیں سیاہ و بادامی رنگ کی جھاڑیوں کے ریشے وغیرہ استعمال کرکے اپنی صنعت کو دلکش بنانے میں بہت مشاق ہیں۔ شمالی امریکہ کے مشرقی حصہ کی عورتیں سخت لکڑیوں کے چھیلنے سے جو باریک حصہ نکلتا ہے اس کو رنگ لیتی ہیں۔ جنوبی امریکہ میں بید کے چھلکوں سے کام لیا جاتا ہے۔ معتدل حصوں کی عورتیں تمام ممالک میں بید، دیودار وغیرہ سے بخوبی واقف تھیں اور مختلف قسم کی گھاسوں بیلوں اور جڑوں کو رنگ کر کام میں لاتی تھیں۔ حیرت ہے کہ وحشی عورتوں نے یہ کیونکر معلوم کر لیا کہ فلاں چیز اس رنگ کو قبول کرے گی اور یہ رنگ فلاں چیز سے دستیاب ہو سکتا ہے جن ممالک میں کھجور پایا جاتا ہے وہاں کی عورتوں نے جس حسن و رنگینی کیساتھ اس کے مختلف استعمالات معلوم کئے وہ بھی ان کے صناعت حسن کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایشیا میں یہ صنعت عام طور سے زیادہ خوشنما نہ تھی تاہم مشرقی ہند، چین و جاپان کی عورتوں نے بانس اور بید سے جیسے جیسے کام لئے وہ آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ چٹائیاں، رنگین ٹوکریاں، کرسیاں، میزیں وغیرہ سب اسی سے تیار کی جاتی ہیں۔ علاوہ اسکے جب سے تاریخ شروع ہوئی ہے اسی وقت سے مشرق کی عورتوں میں چرخے کا رائج ہونا پایا جاتا ہے۔ جس سے وہ روئی وغیرہ کاتا کرتی تھیں اور دوسرے جانوروں کے بالوں کو کاتتی تھیں اور ریشم کے متعلق تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ وہاں ریشم کب پایا جاتا تھا۔ امریکہ میں یہ صنعت عورتوں سے متعلق تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام وہ قومیں جنہوں نے نقش و نگار کو مذہبی رنگ میں ظاہر کیا ہے اس صنعت کو دیوی سے

منسوب کرتی ہیں جس سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ عورت ہی نے اس فن کو تکمیل کی حد تک پہونچایا۔

علاوہ ٹوکریوں کے وحشی عورتوں نے جال فیتے، کپڑے وغیرہ بُننے میں بھی صناعت حُسن فراوانی کے ساتھ پیدا کی۔ ٹوکریوں کے ساتھ عورت نے جو حُسن پیدا کیا وہ مختلف قسم کا ہے۔ کہیں اس کی بناوٹ میں پھول، بوٹے پیدا کیے کہیں مختلف اشکال ریاضی کی بنائیں کبھی پٹیاں رنگ کر استعمال کیں کبھی ٹوکری کو سادہ بن کر اُس پر رنگ چڑھایا، کہیں اس کی بناوٹ میں مختلف رنگ کا اون، پر سیپیاں وغیرہ ملا کر حُسن پیدا کیا۔ الغرض عورت اُسی وقت جبکہ وہ معمولی بُننے والی تھی۔ اس فکر سے غافل نہ تھی کہ وہ چیزوں کی وضع و ساخت میں تغیر و تبدیل کر کے اور ان کو رنگین بنا کر حسن پیدا کرے۔ پھر اس خیال کو اُسنے صرف ٹوکریوں ہی پر پیدا نہیں کیا بلکہ فیتوں، جال اور کپڑوں میں بھی صرف کیا۔

اس امر کا ثبوت کہ وہ زمانہ قدیم میں رنگین و ریشمی کپڑے بُنتی تھی۔ قدیم لٹریچر سے بھی دستیاب ہوتا ہے انجیل میں لکھا ہے کہ

"ساری عورتوں نے جو روشن ضمیر تھیں اپنے ہاتھوں سے کاتا اور اپنا کاتا ہوا آسمانی رنگ، ارغوانی رنگ اور قرمزی رنگ کا مہین کتان لائیں اور سب عورتوں نے جن کے دلوں نے ان کو حکمت کی طرف رغبت دلائی، بکریوں کی اُون کاتی"[1]

استدراکسہ۔

[1] خروج باب (۳۵) آیت (۲۵)

امثال سلیمانؑ میں بھی اس کا بیان ہے کہ

"وہ اپنے لئے نگارین بالاپوش بناتی ہے اور اس کی پوشاک مہین کتان کی ارغوانی ہے اس کا شوہر مجلس میں مشہور ہے جب وہ شہر کے بڑے آدمیوں کے ساتھ بیٹھتا ہے تو وہ مہین کتان کے تھان بنتی ہے اور بیچتی ہے اور کاہلی کی روٹی نہیں کھاتی"[۱]

ارسطو نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے ریشم کاتا وہ پمفال Pamphyle پلیٹس (Plates) کی بیٹی تھی جو زمانہ مسیح سے تقریباً چار سو برس پہلے تھی۔ ممکن ہے یونان میں سب سے پہلے اسی وقت ریشم کاتا جانا شروع ہوا ہو لیکن چینی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے دو ہزار چھ سو برس قبل ملکہ سی ہنگ چی Sihing chi نے ریشم کے لئے ایڈن ایجاد کیا جو اس وقت تک ریشم کی صنعت میں وہاں مستعمل ہے[۲]

ہومر ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"خوبصورت تخت محل کے اندر جا بجا قائم کئے گئے تھے جہاں مختلف قسم کے قالین جن پر زردوزی کا کام تھا جگمگا رہے تھے اور ان سب کو عورتوں ہی نے بنایا تھا"[۳]

استدراک: [۱] امثال سلیمان آیت (۱۰-۲۸)

[۲] Textile Industry by W. S. Murphey.

[۳] Fair thrones from Spaceto Space were raised.
Where various carpets with embroidary blazed.
The Works of Matrons. (Odyssey)

یونانیوں کے علم الاصنام میں ارکینی (Arachne) کے باریک سوت کاتکر مختلف قسم کے ریشمی کپڑے بننے کا حال تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ یہ لڑکی ساحل بحر روم پر واقع ہونے والے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی تھی اس کے والدین بہت غریب تھے لیکن ارکینی کی صنعت نے تھوڑے زمانہ میں کافی دولت حاصل کر لی اور وہ اس فن میں اس قدر مشہور ہوئی کہ آخر کار خود صنعت و حرفت کی دیوی مائنروا (Minerva) اس سے جلنے لگی[1]

ایشیائی روس کے وحشی اقوام میں عورتیں عام طور سے فیتہ اور بیل بنانے میں مشاق تھیں۔ عہد وسطیٰ میں موتی کبھی بیل کے ساتھ ٹانکے جاتے تھے۔ یورپ میں فیتہ بنانے کا رواج یہیں سے منتقل ہوا۔ یہاں کی یہ صنعت اس قدر عام اور مقبول تھی کہ تمام طبقے کے لوگ اپنے ملبوس میں اس سے زینت پیدا کرتے تھے۔ اب یہ صنعت قریب قریب مٹ گئی ہے اور صرف چند اضلاع میں تھوڑی بہت پائی جاتی ہے۔ اس صنعت کو جرمن کی عورتوں نے اپنے ہاتھوں میں لیکر بہت ترقی کر لی ہے اور اب وہاں کی دیہاتی عورتوں کی تجارت و دولت کا انحصار اسی صنعت پر ہے۔

جس وقت تک جدید تہذیب نے جزیرہ نمائے بلقان پر اپنا اثر نہیں کیا تھا وہاں بہت سی نسائی صناعات پائی جاتی تھیں۔ ہر زی گو نیا میں عام طور سے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا پہنتی تھیں اور خود ہی اس کو رنگتی تھیں۔ ہسر ویا کی عورتیں نہایت عمدہ قالین اور کمل تیار کرتی تھیں، اسی طرح بوسنیا میں قالین بننا عورتوں کے فرائض زندگی میں

---

[1] استدراک

Favorite Greek Myths by Hyde

داخل تھا لیکن چونکہ تمدن جدید نے عورتوں کے بہت سے قدیم مشاغل کی جگہ نئی نئی صناعات کی اشاعت کردی ہے۔ اسلئے اب سوائے پہاڑوں اور صحراؤں کے جہاں تہذیب کا ہاتھ نہیں پہنچا عورتیں اپنی ان قدیم صناعات کو فراموش کرچکی ہیں۔ الاسکا میں کمل بہت کثرت سے اور نہایت عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ یہ کمل نہایت نرم، خوبصورت اور مضبوط ہوتے ہیں۔ یہاں کی بڑی دولت یہی کمل ہے اور ایک شخص کے دولت مند یا غریب ہونے کا بھی معیار یہی ہے۔ اس کمل کو صرف عورتیں ہی تیار کرتی ہیں اور اس کی قیمت دو ہزار روپیہ تک ہوتی ہے۔ یہ صنعت عورتوں میں بہت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے اور اب تک کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔

جزائر پالی نیشیا میں ایک خاص قسم کا کپڑا بنایا جاتا ہے جسے ٹاپا کہتے ہیں اور اسے صرف عورتیں ہی تیار کرتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب سے ان میں اس کپڑے کے بنانے اور چھپنے کا رواج ہے۔ یہ کپڑا اس طرح بنایا جاتا ہے کہ چند مخصوص درختوں کی کونپلیں توڑ کر ان کا چھلکا الگ کر دیا جاتا ہے اور گودے کو لکڑی کے تختوں پر رکھ کر موگریوں سے کوٹتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بڑھتا جاتا ہے اور اس طرح بہت سی پٹیوں کو جوڑ کر تھان کے تھان تیار کرلیتی ہیں۔ یہ کپڑا سادہ بھی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات اس میں مختلف قسم کے نقش و نگار پیدا کئے جاتے ہیں نقش و نگار پیدا کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ موگری میں نقوش کھود دیئے جاتے ہیں اور اس کے ضربات سے کپڑے پر بھی وہی نقش پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ کپڑا کاغذ کی طرح باریک ہوتا ہے یہ صنعت زمانۂ قدیم سے عورتوں میں آج چلی آتی ہے اور اس وقت بھی کہ یورپ کے کپڑوں کا وہاں بہت رواج ہوگیا ہے۔ یہ کپڑا بنایا اور استعمال کیا جاتا ہے

اس کپڑے کے ملبوس میں مزید حسن پیدا کرنے کے لئے کیلے کے پتوں کے پھول وغیرہ کاٹ کر اور رنگ کر جنگل کے پھولوں اور بعض درختوں کے ریشے کے ساتھ گوند سے چپکا دیتی ہیں۔ اس صنعت پر یہاں کی وحشی عورتوں کو بڑا فخر تھا یہاں تک کہ صدیوں قبل جزیرۂ ٹاہیٹی (Tahiti) کی ملکہ اس کو اپنی توہین سمجھتی تھی کہ جزیرہ کی کوئی دوسری عورت اس سے بہتر ٹاپا کپڑا تیار کرے پھر اسی کے ساتھ ہر عورت اپنی جگہ پہ کوشش کرتی تھی کہ وہ اس کپڑے کے مختلف نمونے تیار کرے اور جدید اختراعات سے اس کے حسن میں اضافہ کرتی رہے جزیرہ سموا میں علاوہ ٹاپا کے ایک خاص قسم کی چٹائی بھی عورتیں تیار کرتی تھیں جس سے ملبوس تیار کیا جاتا تھا۔ یہ چٹائیاں بھی کاغذ کی طرح باریک اور لچیلی ہوتی تھیں۔

شمالی امریکہ کے وسط حصہ میں ۲۳ قومیں مختلف زبانیں بولنے والی پائی جاتی تھیں۔ ان کی عورتیں عام طور سے ظروف سازی و پارچہ بافی میں بہت مشاق و کامل تھیں انھوں نے برتن بنانے میں اسقدر ترقی حاصل کر لی تھی کہ آج بھی اُن کی کوئی مثال تلاش سے دستیاب نہیں ہوسکتی۔ برتن نہ صرف نازک و حسین بنائے جاتے تھے، بلکہ مختلف قسم کے ہزاروں نقش و نگار اور رنگینیوں سے معمور ہوتے تھے۔ زمانۂ قدیم کے جو برتن زمین کے اندر سے یہاں دستیاب ہوئے ہیں اُن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اس قدر طویل امتداد زمانہ کے اُنکے رنگ و روغن کی آب و تاب وہی باقی ہے۔ یہاں کی عورتیں اپنے مصنوعات کی تجارت بھی کرتی تھیں اور ایک خاندان کی دولت و امارت کا انحصار صرف

عورت کی مصنوعات اور اس کی تجارت پر تھا مسز زینیا نٹال Mrs. Zenia Nattal میگزین کو کی قدیم عورت کا حال لکھتی ہیں کہ وہ محنتی ہوتی تھی اور بہت سی حسین صناعات اس کی ذات سے وابستہ تھیں، یہ مختلف نمونوں کے بڑے بڑے خوبصورت کمل اور کپڑے تیار کرتی تھیں یہ نقاشی کی بھی ماہر تھیں جسے وہ اپنے برتنوں کپڑوں ٹوکریوں اور کملوں پر صرف کرتی تھیں۔ آج بھی یہاں عورت کی صناعات ایک حد تک عورتوں ہی میں پائی جاتی ہیں۔ درانحالیکہ قدیم مرد کی وہ صناعات جو صرف پتھر اور اسکے ٹکڑوں سے تعلق رکھتی تھیں فنا ہو گئی ہیں۔

جزیرۂ فجی کی عورتیں درختوں کی چھال اور کونپل سے نہایت خوبصورت نرم اور باریک کپڑے تیار کرنے میں مشہور تھیں۔

جزائر پالینیشیا میں بھی چھالوں سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا اور اس پر مختلف قسم کے رنگین نقش و نگار پیدا کئے تھے۔ ان جزائر میں ان کپڑوں کی تجارت عام طور سے رائج تھی اور یہی صنعت حصول دولت کا بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھی [1]

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ زمانۂ قدیم میں عورت نے کپڑا بننے میں بہت ترقی کر لی تھی اور اس صنعت کے حسن کو درجۂ کمال پر پہونچا دیا تھا۔

ظروف سازی کے متعلق جو حسن عورت نے پیدا کیا اسکا تعلق سب سے پہلے برتن کی ساخت اور وضع سے تھا۔ یہ ظاہر کیا جاچکا ہے کہ عورت نے اول اول ظروف سازی کی بنیاد کس طرح ڈالی اور وہ پہلے کس قدر ناقص و نا مکمل تھے۔ رفتہ رفتہ

استدراک:- Women of all Nations

جب وہ مٹی کے برتن بنانے لگی اور چاک کا رواج ہوا تو اس نے برتنوں کی ساخت میں کافی تناسب پیدا کیا جو اولین حسن ایک برتن کا ہو سکتا ہے۔ نقش و نگار کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اس سے قبل بیان ہو چکی ہے۔

جو ظروف زمین سے برآمد ہوئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ظروف پر نقش و نگار بنانے میں بُنی ہوئی چیزوں سے زیادہ مدد لیجاتی تھی اور ٹوکریوں وغیرہ کی بناوٹ اور اُن کے پھول برتنوں میں اسطرح منقوش کئے جاتے تھے کہ عورتیں ٹوکریوں کو ڈھانچہ قرار دے کر اُن پر مٹی تھوپ دیتی تھیں لیکن اس کے بعد جب رنگ سازی کا فن بھی وحشیوں میں رائج ہوا تو برتنوں پر رنگین نقش و نگار بنائے جانے لگے۔ امریکہ، مصر، بابل، اسیریا وغیرہ میں جو برتن قدیم زمانہ کے زمین کے اندر سے دستیاب ہوئے ہیں اُن میں کم ایسے برتن ہوں گے جو رنگین نہ ہوں اور مختلف رنگوں سے اُن پر پھول وغیرہ نہ بنائے گئے ہوں۔

فنون لطیفہ کے متعلق جو کچھ اوپر بیان کیا گیا، اس کے علاوہ موسیقی، نقاشی اور فن آرائش و زیبائش بھی ہے۔ موسیقی کا تعلق دو چیزوں سے ہے آواز اور ساز اور ان دونوں میں سے یقیناً سب سے پہلے آواز موسیقی کے حدود میں آئی ہوگی اور اس کے بعد ساز کی بنیاد پڑی ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ آواز کس وقت موسیقی کے حدود میں آتی ہے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک ہی آواز کا مسلسل قائم رہنا موسیقی کی ابتدا ہے۔ زمانہ قدیم میں جب انسان نے اول اول مسلسل آواز کا علم حاصل کیا ہوگا تو ظاہر ہے کہ اُسنے یا تو جانوروں کی آواز کی تقلید کی ہوگی

یا پھر کسی تکلیف و مسرت کے وقت کوئی بے اختیار آواز اُسکے مُنہ سے نکلی ہوگی یقیناً مرد کو شکار کے سلسلے میں حوش و طیور کی آواز سُننے کا زیادہ موقع حاصل تھا۔ لیکن فطری جذبات مسرت و تکلیف عورت کے اندر اُس وقت بھی ایسی ہی کثرت سے پیدا ہوتے ہوں گے جیسے آج کل۔ اس لئے ابتدا ر موسیقی میں عورت و مرد دونوں برابر کے شریک تھے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اسکے اختراع میں اولیت کا فخر کس کو حاصل ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ موسیقی کا صحیح مفہوم نرم و شیریں آواز کا تسلسل ہے عورت مُرجح ہے اور ممکن ہے کہ آہنگ مسلسل کی ابتدا اُسی سے ہوئی ہو۔ رہا ساز سو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب سے اسکی ابتدا ہوئی اور دنیا میں مختلف ساز کس طرح ظہور پذیر ہوئے مگر روایات قدیمہ اور حفریات سے اسکا ثبوت ملتا ہے کہ سیریا، مصر، یونان میں جن کو غالباً اس فن کی ترقی میں اولیت کا فخر حاصل ہے، عورتیں نہ صرف موسیقی میں ماہر تھیں بلکہ ساز کا استعمال بھی بخوبی جانتی تھیں۔

سلیمان عؑ اپنے دنیاوی جاہ و جلال کے اظہار میں فرماتے ہیں کہ

"میں بہت سے گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں رکھتا ہوں"

ہومر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم یونانیوں کی عورتیں نہ صرف تمام گھر کی خدمت انجام دیتی تھیں بلکہ اُسوقت گاتی بھی تھیں۔ چنانچہ ذیل کے بیان سے کلیپسو کا کپڑا بُننا اور گانا ثابت ہے۔ ہومر لکھتا ہے کہ

تصیح استدراک:-

Eccles. II 8 ۹۱

"وہ بیٹھی اور گانے لگی۔ چٹانوں میں اسکے گیت گونج رہے تھے
آتشدان میں دیودار وغیرہ کی لکڑیاں روشن ہو ہو کر سارے جزیرہ کو
معطر کئے ہوئے تھیں اور وہ اپنی محنت اور موسیقی سے اپنا وقت
کاٹ رہی تھی اور کرگہ میں زریں تال کو حرکت دے رہی تھی[1]

جب اولیسس (Olysses) سارس (Circe) کے مکان پر پہونچا ہے تو اسنے
اسکو کپڑا بنتے اور گاتے دیکھا۔ ہومر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ
قصر کے دروازے پر وہ پہنچکر کھڑے ہوئے تو ایک آواز سنی جو جنگل
میں گونج رہی تھی اندر اپنے کرگہ پر بیٹھی ہوئی دیوی گا رہی تھی۔ محرابی
سقف اور ٹھوس فرش اس موسیقی سے معمور تھے۔ خوبصورت کپڑے
کے تھان پر ابھری ہوئی صورتیں چمک رہی تھیں۔ یہ صنعت حقیقتاً غیر فانی
صنعت تھی اور ان ہاتھوں میں خدا کی قدرت کام کر رہی تھی[2]

---

[1] She sat and sung, the rocks resound her lays
The cave was brightened with a rising blaze,
Ceder and Frinkincense an adoreus pile ;
Flamed on the hearth and wide perfumed the Isle
(odysey V.70)

[2] Now on the threshold of the dome they stood,
And heard a voice resounding through the wood,
Placed at her loom within, the goddess sung,
The vaulted roofs and solid pavement rung,
Over the fair web, the rising figures shine.
Immortal labour ! Whorthy hands divine. (Odysey)

ہومر کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتیں کارچوب کا کام اچھی طرح کرتی تھیں۔

قدیم مصریوں کے بہترین سازوں میں ایک ساز دوہرا الغوزہ بھی تھا جس کو عام طور سے عورتیں ہی بجاتی تھیں۔ اس کو قدیم مصری زبان میں مام کہتے تھے اور جو نقوش حضریات برآمد ہوئے ہیں اُن سے اسکا پورا ثبوت ملتا ہے۔ برٹش میوزیم میں ایک قدیم نقش یا تصویر اُس عہد کی موجود ہے جسمیں کسی مجلس کا منظر دکھایا گیا ہے اس میں ایک عورت الغوزہ بجا رہی ہے دو رقص کر رہی ہیں اور باقی تالیاں بجا بجا کر گا رہی ہیں۔

قدیم مصری الغوزے بہت لمبے ہوتے تھے اور بجانے والے کو خواہ وہ بیٹھکر بجائے یا کھڑے ہوکر اپنے بازو پوری طرح پھیلا دینے پڑتے تھے تاکہ آخری سُوراخ تک انگلی پہنچ سکے۔

قدیم خطِ اغلفی (Hieroglyphy) میں لفظ سبی[ل] الغوزہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے اکثر استعمال کیا گیا ہے۔ چوں کہ اس لفظ کے معنی پاؤں کی ہڈی کے ہیں جسے لاطینی زبان میں ٹیبیا سے ظاہر کرتے ہیں، اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے الغوزے ہڈی کے بنائے جاتے تھے لیکن حضریات میں یہ الغوزے لکڑی یا نے کے دستیاب ہوئے ہیں۔

قدیم مصریوں میں طنبورہ کا بھی رواج تھا۔ یہ بیضیا دی شکل کا ہوتا تھا اور اس میں موجودہ ہندوستانی ستار کی طرح چار یا پنچ کھونٹیاں بھی ہوتی تھیں،

استدراک:۔ [ل] Sebi [ل] Tibia

جن میں تار لگے ہوتے تھے۔ یہ تنبورے مضراب یا زخمے سے بجائے جاتے تھے ایک نقش تھیبا (Thebes) کی مغربی پہاڑیوں سے دستیاب ہوا ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے اس میں دو عورتیں تنبورہ بجا رہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک برتن نکلا ہے جو صرف ساڑھے آٹھ انچ اونچا ہے اس میں بھی ایک تصویر عورت کی منقوش ہے جو تنبورہ بجا رہی ہے۔

قدیم مصری برتنوں کے نقوش میں اکثر آلاتِ موسیقی دکھائے گئے ہیں ان میں سے بعض برتنوں پر دیویوں کی تصویریں بھی ہیں۔ جو تاج کی جگہ پر سر پر سورج رکھے ہوئے ہیں اور تخت پر بیٹھی ہوئی جھنجھنا[1] بجا رہی ہیں۔ ایک اور دیوی لعل (جو اعراب کی بھی دیوی تھی) بنائی گئی ہے جسکے سر پر پروں کا تاج ہے اشیر کی کھال شانہ پر پڑی ہے اور ہاتھ میں تنبورہ لئے بجا رہی ہے۔ علاوہ ان کے بعض نقوش و تصاویر ایسی بھی برآمد ہوئی ہیں جن میں عورتیں تنبورہ، سرود بربط وغیرہ سب کے ساتھ بجا رہی ہیں اسی زمانہ میں مثلث شکل کا بربط بھی رائج تھا اور اس کی تصویریں بھی عورت ہی کو بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اسکے ایک کونے کی طرف جو ساز کا زیریں حصّہ ہے اور جس میں تار پروئے

استدراک:

۱؎ اس ساز کی شکل یوں ہے  اسکو قدیم مصری زبان میں ششش (Seshesh) کہتے ہیں ان کے تاروں میں دھات کے کچھ ٹکڑے ڈالدیے جاتے تھے جو جنبش سے آواز دیتے تھے اب بھی حبش کے پادری اسکا استعمال کرتے ہیں اور (Sanasel) سناسل کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسکا نام سسٹرم (Sistrum) ہے۔

جاتے تھے۔ بربط کی صورت بنی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں اس ساز کا رواج مصریوں سے منتقل ہو کر پہونچا اور اسکی صورت دیکھ کر ایرانیوں نے اسکا نام بربط رکھدیا
جرمنی کے عجائب خانہ میں بھی ایسے متعدد نقوش ہیں جن سے زمانۂ قدیم میں عورت کا بربط بجانا ثابت ہوتا ہے۔

ہیروڈوٹس مصر کے مراسم قدیم کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہاں نغمۂ لینوس (Linus) کا بہت رواج تھا۔ لینوس مصر کے اوّلین بادشاہ کا بیٹا تھا جو عین عالم شباب میں مر گیا۔ مصری اس کو مونرس (Moneros) کہتے ہیں، یہ نغمہ موسم بہار کے وقت بھی گایا جاتا تھا اور اس میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ہومر نے اسی نغمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اس طرف ایک پرپیچ و خم راستہ جاتا ہے جس پر حسین لڑکیاں
نوجوان لڑکے اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھے ہوئے جا رہے ہیں،
اور یہ ٹوکریاں موسم بہار کی ارغوانی پیداوار سے لبریز ہیں"[1]

مصری حفریات میں سے بعض پتھر ایسے بھی نکلے ہیں جن پر وہ گیت منقوش ہے جس کو عورتیں غلہ نکالنے کے وقت گاتی تھیں۔ اس سے نہ صرف عورتوں میں موسیقی کا رواج ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ان کی قدیم زرعی زندگی پر بھی روشنی

---

[1] استدراک لہ: To this one pathway gently winding leads
Where march a train with baskets on their heads
(Fair Maids&blooming youths) that smiling hear
The purple products of the autumnal year

پڑتی ہو یہاں اس گیت کا نقل کرنا غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ گیت یہ ہو:-
ہنی ٹِن اِن ٹِن - ہنی ٹن اِن ٹن سُو اُو، یعنی اے بیلو اپنے پاؤں سے کچل کچل کر غلہ
تہا ار آ اُو - کہاں اِن بنو تِن۔ نکالے جاؤ تکہو تمہارا ہو اور غلہ تمہارے مالک کا
ہیروڈوٹس مسیح سے تقریباً ۵۰۰ برس قبل کا حال لکھتا ہو کہ مصری لوگ سال
میں کئی بار مراسم عبودیت بجالاتے تھے۔ اہم تہواروں میں ایک تہوار وہ تھا
جو شہر بباسٹیس (Bobastis) میں دیوی ڈیانا (Diana) کی پرستش
میں منایا جاتا تھا۔ مرد وعورت سب جمع ہوتے تھے عورتیں ڈھول بجا بجا کر گاتی
تھیں اور مرد بھی مختلف سازوں سے انکا ساتھ دیتے تھے۔

برٹش میوزیم میں دو پتھر زمانۂ قدیم کے اور ہیں ایک میں پانچ عورتیں بنی ہیں،
جو ہاتھوں میں جھنجھنا لئے ہوئے بجا رہی ہیں۔ صرف ایک عورت کے ہاتھ میں
نہیں ہو۔ لیکن وہ روشنی لئے ہوئے ہو۔ دو عورتیں تاج پہنے ہوئے ہیں اور باقی سب کی
ٹوپیاں معمولی ہیں۔ گارڈنر ولکنسن Gardener Wilkinson نے انکی تحریر
پڑھ کر معلوم کیا ہو کہ دونوں تاجدار عورتیں شاہ رامیسس اعظم کی بیویاں ہیں اور باقی
تینوں راہب کی ماں، بیٹی، بہن ہیں۔ دوسرے پتھر میں ایک مجلس کی تصویر
ہو۔ ایک جماعت مردوں اور عورتوں کی کرسی پر بیٹھی ہو۔ کنیزیں انھیں شراب
پلا رہی ہیں اور گانے والی عورتیں نیچے فرش پر بیٹھی ہوئی ساز بجا بجا کر گا رہی
ہیں۔ کنیزیں اور گانے والیاں قریب قریب بالکل برہنہ ہیں۔

ارض بابل سے بھی ایک پتھر دستیاب ہوا ہو جس میں اسوقت کی تصویر

منقوش ہے جب بادشاہ فاتحانہ حیثیت سے واپس آیا ہے اور ایک جماعت گانے بجانے والوں کی اُس کا خیر مقدم کر رہی ہے۔ اس جماعت میں پانچ مرد اور چار عورتیں بربط لئے ہوئے ہیں اور ایک عورت بانسری بجا رہی ہے سات عورتیں اور پانچ لڑکیاں تالی بجا رہی ہیں۔[1]

زمانۂ حال میں مصر کی رقاصہ عورتوں کو غوازی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسل ہی الگ ہے کیونکہ پرانے مصری مقابر میں جو نقوش ہیں ان میں اسی وضع وصورت کی عورتیں رقص کرتی ہوئی دکھائی گئی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ غوازی عورتیں اسی نسل سے ہیں جو کسی زمانہ میں فراعنۂ مصر کے سامنے ناچتی گاتی تھیں۔ اسی طرح گانے والی عورتوں کو موجودہ مصری زبان میں عوالم کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ فنوقیا کی زبان سے مستعار لیا گیا ہے جس میں عالماہ کنواری اور مغنیہ کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ مصری عوالم کا تعلق فنوقیا کی سرزمین سے ہے اور وہاں کسی زمانہ میں فن رقص و سرود بہت ترقی پر تھا۔

موجودہ وحشی اقوام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فن رقص و موسیقی اب تک قدیم وحشیانہ انداز سے اُن کے ہاں موجود ہے اور ان میں عورتیں بھی کافی حصہ لیتی ہیں

استدراک!۔

[1] Music of the Most Ancient Nations by Carl Engel.

کیوواؔ[1] کی وحشی عورتیں کچے چمڑے کے کنارے کو پکڑ کر کمر تک بلند کرتی ہیں اور دوسرے ہاتھ سے اس پر لکڑی مارتی ہیں۔ گویا یہ ایک قسم کا دف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ رقص بھی کرتی ہیں اور گاتی ہیں۔ وحشی اقوام میں نغمہ کے ساتھ تال اور سم کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے جس کو وہ پاؤں کی ٹھوکر یا ہاتھ اور لکڑی کی ضرب سے ظاہر کرتی ہیں۔ کیووا قوم کی عورتیں گاتے وقت اسی طرح تال اور سم کو ظاہر کرتی ہیں اور مرد اسی تال اور سم کے لحاظ سے رقص کرتے ہیں۔

مسٹر کشنگ بیان کرتے ہیں کہ زونی عورتیں اکثر اپنے ہی گیت گاتی ہیں۔ جن میں مشاغل خانہ داری کا بیان زیادہ ہوتا ہے وہ کھیت میں کام کرنے، پانی بھرنے، چکی پیسنے، کھانا پکانے، اور بچوں کو سلانے کے اوقات میں مختلف گیت گاتی ہیں۔ اُن کی ایک لوری یہاں درج کی جاتی ہے[2]

(لڑکی کے لئے)

"اے چھوٹی سی عورت لڑکی، اے چھوٹی سی خوبصورت عورت اگرچہ تو ابھی بچہ ہے۔ لیکن تو جلد کھیلنے لگے گی۔"

(لڑکے کیلئے)

"اے چھوٹے سے مرد، تو اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن تو جلد بڑا ہو جائیگا اور خرگوش کا شکار کرے گا۔"

استدراک

[1] James Money, An. Anthropologist, Vol.

[2] (re-produced by Mr. Cushing and Mr. Mason in The Wn's Share in Pr. Culture.)

مسٹر ہنری بالفور کی روایت ہو کہ بحر الکاہل کے جنوب میں جو جزائر واقع ہیں وہاں کی وحشی عورتیں اکثر ناک سے بانسری بجاتی ہیں۔ جزائر مارکوئس[1] میں بھی عورت کی بہترین تفریح ناک سے بانسری بجانا ہو۔ جزائر فجی کی عورتیں بھی بانسری بجاتی ہیں اور اسی طریق سے۔

ایشیا میں بھی موسیقی بہت زمانۂ قدیم سے رائج ہو۔ ہندوستان تو موسیقی کا گھر تھا کیونکہ ہندوؤں کا مذہب ہی مذہبِ رقص و نغمہ ہے۔ اب بھی وحشی عورتیں گانے میں مشتاق ہیں اور ہر موسم، ہر وقت کے لحاظ سے مختلف گیت مختلف لحنوں میں گاتی ہیں۔ علاوہ ایشیا کے اور تمام ممالک کے وحشی اب تک کوئی نہ کوئی موسیقی اپنے پاس رکھتے ہیں جس کا اگر سراغ لگایا جائے تو زمانۂ قدیم سے اسکا سلسلہ مل جائیگا۔

فن آرائش و زیبائش میں عورت نے جس قدر ترقی کی وہ مختلف ممالک کے ملبوس و طریق آرائش سے ظاہر ہو۔ عورت نے اول اول جب اپنا خاموش قدم اس فن کی طرف بڑھایا، اُس وقت کی کوئی صحیح تاریخ ہم کو نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ مسیح سے چھ ہزار برس قبل بھی کوڑیوں اور سیپ وغیرہ کے ہار استعمال کرنیکا رواج عورتوں میں پایا جاتا تھا[2]

پھر کپڑوں میں پر، کوڑیوں، مختلف رنگ کی گھاس اور پتیوں وغیرہ سے آراستگی پیدا کرنا بھی فن آرائش و زیبائش سے متعلق ہو جو نہ صرف زمانۂ قدیم

استدراک: [1] Marquisas Island بحر الکاہل کا ایک جزیرہ۔

[2] (Heritage of Dress)

ہیں بلکہ آج بھی وحشی عورتوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ناک چھیدنا، کانوں میں سوراخ کرنا۔ زیور پہننا، مہندی لگانا، پان کھانا گودنے گدانا وغیرہ یہ سب قدیم مراسم ہیں جن کو عورت نے اختراع کیا، مورلیٹ کہتا ہے کہ پیلینکو کے قدیم کھنڈروں میں وحشی عورتیں پانی کے چشموں میں جا کر نہاتی ہیں یہاں وہ ان بڑے بڑے درختوں کے نیچے جمع ہوتی ہیں جن پر انگور کی بیلیں چڑھی رہتی ہیں وہ چشموں میں دیکھ دیکھ کر جو ان کے قدرتی آئینے ہیں اپنے بال سنوارتی ہیں اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نیلگوں ملبوس کو جو نہایت قدیم وضع کا ہے پہنتی ہیں اور گھڑوں میں پانی بھر کر ہنستی کھیلتی، کودتی گھر واپس جاتی ہیں[1]

تبت کی عورتیں ایک سیاہ روغن سے اپنے چہرہ کو رنگتی ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ اس سے اُنکے چہرے گرم ہوا سے محفوظ رہتے ہیں[2]

انڈمان کی عورتیں سپید مٹی سے اپنے اور اپنے اعزا کے جسم کو رنگتی ہیں اور پھر انگلیوں سے چہرہ پر نقش و نگار بناتی ہیں[3]

ٹاگوناش میں ہر صبح عورتیں اپنے مردوں کے بالوں میں کنگھی کر کے انہیں آراستہ کرتی ہیں اور ان کے چہروں کو رنگتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس آئینہ ہوتا ہے تو اسکو دیکھ کر اپنا چہرہ بھی رنگ لیتی ہیں۔ جس رات کو ان کی شادی ہوتی ہے

استدراک [1] Morelet, Travels in Central America

[2] Rockhill, Land of Lamas

[3] Man, Andaman Islander, 1883

وہ اپنے سارے جسم کو سپید رنگ سے رنگ لیتی ہیں اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکے جسم کو بھی رنگ دیتی ہیں۔

یورپ و امریکہ کی دو کانوں میں اب نائی کی خدمت عورتوں کے سپرد ہوتی جاتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ عورت کو اپنے زمانۂ وحشت سے اس خدمت کا بھی تجربہ ہے۔ چنانچہ جزیرۂ انڈمان[۱] میں جس وقت بچہ ہوتا ہے تو ماں اپنا دودھ نکال کر بچے کے سر کے بال اس سے تر کرتی ہے اور پھر شیشہ کے ٹکڑے سے خود ہی اسکا سر بھی مونڈ دیتی ہے۔ یہاں مردوں کے سر بھی عورت ہی مونڈتی ہے اور ہر دس دن میں اپنا سر بھی صاف کر لیتی ہے[۲]۔

فن نقاشی کے متعلق یونانیوں کے ہاں زمانۂ قدیم سے یہ روایت[۳] چلی آتی ہے کہ کارنتھ (Corinth) کے ایک برتن بنانے والے ڈبوٹیڈس (Dibutades) کی لڑکی ایک شام جب اپنے عاشق کے پاس سے واپس آئی تو اُسنے اپنا سایہ چراغ کی روشنی میں دیوار پر پڑتے ہوئے دیکھا۔ فوراً اسکے ذہن میں کچھ خیال پیدا ہوا اور فوراً ایک نوک دار آلہ سے دیوار پر جہاں جہاں سایہ تھا خط کھینچ دیا۔ جب اسکا باپ گھر آیا تو اسنے اپنی بیٹی کی ذہانت کو بہت پسند کیا اور اتنا حصہ پلاسٹر کا دیوار سے الگ کر کے گیلی مٹی میں اسکا ایک ٹھپہ لیا اور اپنے برتنوں کے ساتھ اسے بھی پکایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو فن نقاشی کی استدراک[۱]

Man, Andaman Islander, 1883

[۲] Man : Audaman Islanders

[۳] Heaton's History of painting

ایجاد بھی عورت ہی کی ٹھہرتی ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح نہ ہو تو بھی اس باب میں عورت کے لئے یہ فخر کم نہیں ہے کہ اُسنے اپنی ذات سے نقوشِ فطرت کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں جو صحیح معنی میں مصوری و نقاشی کہی جا سکتی ہیں۔ علاوہ اسکے ٹوکریوں، برتنوں، کپڑوں میں جو نقاشیاں عورت نے کی ہیں اور جن کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے وہ بھی حقیقتاً اسی فن سے متعلق تھیں اور جنھوں نے بعد کو ایک مستقل صنعت کی صورت علیحدہ اختیار کر لی۔

آٹھویں فصل

عورت اور زبان

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور عجیب و غریب صفت انسان کی جو اسکو تمام مخلوقات عالم سے ممیز کرتی ہے اور ارتقار کے لئے جو سنگ بنیاد کی سی حیثیت رکھتی ہے زبان یا گفتگو ہے۔ انسان کے ناطق ہونے کی صفت ایک ایسی ممتاز صفت ہے کہ اس میں دنیا کی کوئی مخلوق اس کی مماثل و مشترک نہیں ہے جس وقت منطق والوں نے انسان کی حد و تعریف، مرتب کرنی چاہی تو سب سے پہلے اس کی صورت و حالت ظاہری کو دیکھا اور یوں ابتدا کی کہ ہو حیوان (حیوان ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ وہ بھی مثل دیگر حیوانات کے ذی حیات ہے) لیکن محض حیوان کہہ دینے سے وہ دیگر حیوانات سے جدا نہیں ہو سکتا تھا اسلئے اُسکے آگے ایک صفت اور مستقیم القامہ کی بڑھائی۔ کیوں کہ اُس وقت تک کوئی دوسرا جانور مستقیم القامہ نظر نہ آیا تھا۔ لیکن جب چمپنیزی (Chimpanzee) کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سیدھا چلتا ہے۔ اسلئے یہ صفت بھی انسان سے مخصوص نہ رہی پھر صفت وسیع الاظفار کا اضافہ کیا لیکن جب بندروں کو دیکھا تو ان کے ناخن کو بھی انسان کے مثل چوڑا اور وسیع پایا۔ پھر متحرک بالارادہ کہا۔ لیکن حرکت ارادی بھی تمام حیوانات کی صفت تھی اسلئے مجبور ہو کر انھوں نے انسان کو حیوان ناطق کہا اور اب یہ حد مکمل ہو گئی۔ کیونکہ صفت نطق ایک ایسی صفت انسانی ہے جس میں

کوئی دوسرا جاندار شریک نہیں۔ اسلئے ظاہر ہی کہ نطق انسان کی تاریخ مرتب کرنا نہ صرف نہایت اہم بلکہ دشوار بھی ہی۔

یقیناً جس طرح دیگر اکتسابات انسانی کی ابتدا محض انسان ہی کی سعی و کاوش سے ہوئی اس طرح نطق کے لئے بھی اُسنے کوئی طریقہ اختراع کیا ہوگا رہا یہ امر کہ وہ طریقہ کیا تھا اور نطق کی ابتدا کس طرح ہوئی، یہ بیان کرنا بہت دشوار ہی۔ البتہ صرف قیاس سے کہا جا سکتا ہی کہ اسکی ابتدا ارادی و غیر ارادی دونوں طریق سے ہوئی ہوگی یعنی یا تو اسنے اپنے خیال و تاثر کو قصد کر کے ظاہر کیا ہوگا یا یہ کہ اذیت و الم کے عالم میں کوئی بے اختیار آواز اسکے منہ سے نکل گئی ہوگی۔ ایک تیسری صورت اور بھی ہو سکتی ہی اور وہ یہ کہ اُسنے حیوانات کی آواز کی نقل کی ہو۔ لیکن یہ بھی تقسیم ارادی کے تحت میں آتی ہی اسلئے اسکے جداگانہ ذکر کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بہرحال اس وقت تک یہ امر محقق نہیں ہو سکا کہ زبان کی حقیقی بنیاد کب اور کس طرح پڑی لیکن جس وقت یہ امر محقق ہو جائے گا اور تمام قیاسی نظریات پر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو اس میں شک نہیں کہ نطق اولین یا زبان ابتدائی کے اختراع اور وسعت و تحفظ میں عورت کا بھی بڑا حصہ پایا جائیگا۔

یہ امر فراموش کرنے کے قابل نہیں ہی کہ جس طرح انسان نے دیگر اوزار وغیرہ ایجاد کئے ہیں اسی طرح زبان بھی اختراعات انسانی میں سے اہم ترین چیز ہی جسنے یقیناً دیگر اختراعات کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کے مختلف تغیرات کو قبول کرتے کرتے بے معنی حالت سے ایک بامعنی حالت اختیار کی۔

اول اول زبان میں اسمار وافعال وغیرہ کی کوئی تقسیم نہ تھی جیسی کہ اب نظر آتی ہے بلکہ وہ مجموعہ تھی چند الفاظ یا چند مختصر جملوں کا جس کو ہم صرف ایک صدا یا صوت مسلسل کہہ سکتے ہیں۔ ان سے مختلف جذبات، حسیات، خواہشات و داعیات کا بغیر کسی اصول کے اظہار کر دیا جاتا تھا۔ اور اس اظہار کو آواز کے آثار چڑھاؤ اور اعضار کی جنبش سے اور زیادہ نمایاں اور یسیر الفہم بنا دیا جاتا تھا۔ اگر آپ نے ایک گونگے کو اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہوئے کبھی دیکھا ہو تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ابتدا آفرینش میں زبان کی ابتدا کیوں کر ہوئی ہوگی۔

جس طرح یہ ظاہر ہے کہ ان اشارات واصوات کی اختراع و ترقی عہد زمانۂ قدیم کے وحشیوں کا کام تھا۔ اسی طرح یہ بھی اک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس اختراع و ترقی میں بڑا حصہ عورت اور عورت کے دماغ کا تھا۔ چوں کہ عورت ہر وقت کسی نہ کسی کام اور کسی نہ کسی صنعت میں مشغول رہتی تھی، اس لئے لازم ہے کہ اس نے پہلے انھیں کاموں و صنعتوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوگا۔ اور اس اظہار کے لئے اُس نے اصوات واشارات اور پھر رفتہ رفتہ الفاظ و فقرات مرتب کئے ہوں گے۔ ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ چند عورتیں بیٹھ جاتی ہیں تو پھر گفتگو کا اک سلسلہ نامتناہی شروع ہو جاتا ہے اور وہ بات کرنے سے کبھی نہیں تھکتیں۔

یقیناً زمانۂ قدیم میں بھی عورت کی اس فطری خصوصیت کا یہی عالم رہا ہوگا اور اسلئے اُس کو اختراع الفاظ وغیرہ کا اولین موقع ملا۔ چوں کہ عورت زمانۂ وحشت میں غذا مہیا کرنے، کھال درست کرنے، سینے وغیرہ کی خدمتیں انجام دیتی تھی (جیسا کہ اس سے قبل ظاہر کیا جا چکا ہے) اسلئے یقیناً عورت کو اشارات و

اصوات سے زیادہ کام لینا پڑتا ہوگا تاکہ وہ اپنے بچوں کو مافی الضمیر سمجھا سکے اور اسطرح مسلسل تکرار و مشق سے رفتہ رفتہ گفتگو یا زبان کے لئے الفاظ وغیرہ کا کافی ذخیرہ فراہم ہوتا گیا۔

ڈاکٹر برنٹن Doctor Brinton اپنی ایک تحریر میں ظاہر کرتے ہیں کہ بہت قدیم زمانوں میں نہ صرف ایک سلسلہ ایسے الفاظ و اصوات کا عورت سے مخصوص ہونا پایا جاتا ہے۔ بلکہ بہت سی قوموں میں عورتوں کی زبان ہی مردوں سے علیحدہ تھی۔

اڈورڈ جان پین Edward John payne اپنی کتاب تاریخ امریکہ میں لکھتے ہیں کہ "وہ تمام مدارج جن کو زبان نے ترقی تک پہنچنے کے لئے طے کیا، پردہ خفا میں ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ غذا کی تلاش ایک بڑا باعث اختراع زبان کا تھا اور جب اشارات و اصوات کے ذریعہ سے اشیاء کے نام ظاہر کئے جانے لگے تو اسکے ساتھ اُن اشیاء کو اچھا یا بُرا ظاہر کرنے کے لئے بھی الفاظ یا اصوات کا استعمال شروع ہوا اور چونکہ درختوں کے استعمالات و مصارف معلوم کرنے میں عورت کا بڑا حصّہ ہے۔ اسلئے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زبان کی ترقی میں بھی اسکے احسانات ویسے ہی عظیم ہیں[1]

مسٹر اڈورڈ جان صرف غذائی اشیاء کے متعلق یہ توجیہہ کرتے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں کہ ان تمام دیگر مشاغل کی نسبت بھی یہی توجیہہ نہ قائم کی جائے جو صرف عورت کی ذات سے قایم تھے زمانہ قدیم میں چونکہ مردوں کا زیادہ وقت شکار

استدراک:۔ [1] History of America by Mr. payne

میں صرف ہوتا تھا اس لئے یہ زیادہ تر تنہا رہتے تھے اور خاموش۔ برخلاف اسکے عورتیں تنہا نہ رہتی تھیں اور ان کے مشاغل بھی کثیر و مختلف تھے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ ان کو بات کرنے کا موقع بھی تھا اور ضرورت بھی۔ وہ چیزیں جن کو مرد بناتے تھے اور جو مرد و عورت دونوں کے استعمال میں آتی تھیں ان کا نام رکھنے میں مرد نے ابتدا کی ہوگی۔ لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ عورت نے اُن کا نام اپنے فرائض و طریقہ استعمال سے جدا رکھا ہوگا جو مردوں کے مقرر کئے ہوئے ناموں سے مختلف رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت آج بھی ہر خاندان میں مل سکتا ہے۔ مہذب لوگوں میں یہ فرق زیادہ نمایاں نہیں ہے اور مرد و عورت کی زبانیں قریب قریب ایک ہی ہیں لیکن وحشی لوگوں میں یہ فرق بیّن طور سے نظر آتا ہے۔ اور مرد و عورت کی زبان میں بہت تفاوت ہے۔

یہ بھی اک مسلمہ امر ہے کہ جس طرح زبان کی ابتدا بذریعہ اصوات و اشارات اظہار جذبات سے ہوئی اسی طرح الفاظ کی اختراع علے مخصوص اشیاء کے نام رکھنے میں خود ان اشیاء کے حالات سے اخذ کیگئی جسطرح مرد نے شکار کے وقت جانوروں کی آوازیں سنکر ان کی نقل کی ہوگی۔ اسی طرح پیسنے، پکانے، کھال صاف کرنے اور دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کے وقت جو آواز ان چیزوں سے پیدا ہوتی ہوگی یقیناً اسی آواز کی مماثل عورت نے بھی اک آواز پیدا کرکے اس چیز کا نام رکھا ہوگا اور چونکہ عورت کے مشاغل زیادہ تھے اسلئے ظاہر ہے کہ اسکو تسمیہ اشیاء کا زیادہ موقع تھا اور اسنے زبان کی ترتیب میں زیادہ حصہ لیا ہوگا۔

پھر اسکے علاوہ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ عورت کی حلق و زبان کی

ساخت نقل اصوات کے لئے اور کان کے اعصاب کا نظام ایک آواز کو بہت جلد سُن لینے کے لئے زیادہ موزوں واقع ہوا ہو تو ہمیں اسکا اور بھی یقین ہو جاتا ہو کہ نقل اصوات کے ذریعہ سے تسمیۂ اشیاء میں عورت نے بہت بڑا حصّہ لیا ہوگا۔

تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ اشیاء کی تبدیلی، تبدیلی اسم کو لازم نہیں ہو زمانۂ وحشت میں بہت سے فنون ایسے تھے جن کو عورت نے اختراع کیا اور زمانۂ مابعد میں مردوں نے ان کو اختیار کر لیا۔ لیکن نام وہی قائم رہا جو پہلے تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ زمانۂ قدیم کے الفاظ اب تک قائم ہیں اس واقعہ سے ملتا ہو۔ اب نواجو زبان میں "مکان" کو "ہگان" کہتے ہیں اور زونی زبان میں ہام، یون، نی۔ وحشی زبانوں کی لغت میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ ہگان صرف جھاڑی کو کہتے ہیں اور ہام۔ یون۔ نی کے معنی بھی جھاڑی یا گھاس کے ہیں۔ ہر چند اب اُن کے مکان گھاس پھونس کے نہیں ہوتے لیکن چونکہ اوّل اوّل مکان پتّی وغیرہ سے بنائے جاتے تھے، اس لئے جو نام زمانۂ قدیم میں رکھا گیا تھا اب تک قائم ہو۔

زمانۂ قدیم میں اشیاء و خیالات کو ایک مستقل وجود سے تعبیر کرنے کا رواج تھا مردوں میں عورتوں کے نتیجۂ محنت کو اور عورتوں میں خود اپنے مردوں کے نتیجۂ محنت کو مشخص و مجسم قرار دینے کا دستور تھا اور ان میں تذکیر و تانیث کا فرق بھی استعمال کرنے والے یا مخترع کی جنس کے لحاظ سے قائم تھا۔

موجودہ یورپ کا ملّاح جہاز کو مونث کہتا ہو اور اس سے قبل یونانی اور روما کے ملاح بھی جہاز کو مونث ہی بولتے تھے۔ اور جہاز کو عورت سمجھنا یقیناً بہت قدیم

خیال ہے جس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ عورت اسکی مخترع تھی - یا یہ کہ مرد اسکی ضرورت کو اسطرح محسوس کرتا تھا جسطرح ایک عورت کی ضرورت کو۔

زبان یا گفتگو کے بعد فن تحریر ہے اور اس میں شک نہیں کہ اول اول تحریر کا رواج تصویروں کی صورت میں رائج ہوا اور چونکہ زمانہ قدیم میں کوئی اصول یا آلات ایسے نہ تھے کہ وہ ایک چیز کی تصویر کو ہمیشہ یکساں بنا سکتیں، اسلئے رفتہ رفتہ تصویریں مختصر ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ کے بعد انھوں نے ہیروغلفی اور پھر آہستہ آہستہ امتداد زمانہ سے حروف کی صورت اختیار کر لی۔ یہ امر کہ ایک ہی تصویر مختلف نقلوں کے بعد کیا صورت اختیار کر لیتی ہے - اس کی تصریح مسٹر ہنری بالفور Mr. Henry Balfour کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے کہ اُسنے ایک تصویر بنائی جس میں ایک لکڑی پر گھونگھا لیٹا ہوا تھا - یہ تصویر نقل کے لئے ایک شخص کو دی اس نقل کی دوبارہ نقل کرنے کے لئے دوسرے شخص کو دی گئی یہاں تک کہ آخری نقل بارھویں شخص کے ہاتھ سے نکلی وہ اسقدر بدل گئی تھی کہ لکڑی ایک شاخ معلوم ہوتی تھی اور گھونگھا ایک بیٹھا ہوا پرند نظر آتا تھا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تصویری رسم خط کس طرح رفتہ رفتہ حروف کی صورت میں تبدیل ہوا ہوگا۔

اب یہ تحقیق رہ جاتی ہے کہ عورت نے اس میں کس قدر حصہ لیا۔ یہ امر پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا تعلق بُننے اور برتن بنانے کے فن سے کس قدر ہے اور اُسنے ٹوکریوں، گملوں، برتنوں وغیرہ میں کیسے کیسے نقوش بنائے۔ بھینس کے چمڑوں کے کپڑے جن پر رنگت کے نقوش و تصویریں ہوتی ہیں صرف عورتیں ہی بناتی تھیں جسم پر

گودنے گدانا بھی تحریر نقوش وغیرہ کی ایک قسم ہے جو عورتوں ہی سے شروع ہوا اور اسوقت بھی عورتوں ہی کی ذات سے قایم ہے۔ علاوہ اسکے اشارات کی زبان زمانۂ قدیم میں ایک عجائب چیز تھی جس میں عورتیں بہت مشاق تھیں۔

برگھیم (Brigham) بیان کرتا ہے کہ میں نے جزیرۂ ہوائی میں ضعیف عورتوں کو نالہ یا ندی کے کنارے درخت کے نیچے لکڑی کی ضرب سے آواز پیدا کرتے دیکھا ہے وہ اس طرح ایک وادی سے دوسری وادی میں خبریں پہنچاتی ہیں۔ یہ ضربات کبھی مسلسل اور کبھی وقفہ کے ساتھ ہوتی ہیں جس کا مفہوم وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ یہ قدیم زمانہ کا ٹیلیگراف تھا جس کی نقل اس زمانہ کی بھی بحری و بری افواج کی زبان اشارات ہے۔

افریقہ میں ڈھول کی ایک زبان الگ ہے جس کو مرد و عورت بخوبی سمجھتے ہیں۔

زمانۂ قدیم میں اشاعت زبان مخصوص طور سے زیادہ عورت کی ممنون ہے آسٹریلیا، افریقہ، امریکا میں مختلف زبانیں بولنے والی قومیں ایک دوسرے کے حدود دو رقبہ میں داخل ہو کر جنگ کیا کرتی تھیں لیکن عورتوں کو ہلاک کرنے کا دستور نہیں تھا۔ وہ مال غنیمت سمجھی جاتی تھیں اور فاتح قوم اُن کو لونڈیاں بنالیتی تھی۔ یہ عورتیں غلامی کی حالت میں نئی جگہ پہنچکر اپنی صنعتوں کو بھی رائج کرتی تھیں اور اپنی زبان کی اشاعت بھی کرتی تھیں۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو وہ باہم اپنی اصلی زبان میں بھی گفتگو کرتیں اور نئی زبان بھی سیکھتیں۔ اگر وہ اپنے ساتھ کوئی

استدراک:- Brigham, Cat. Bishop Mus., Honolulu

نئی صنعت لاتیں جس کا کوئی نام فاتح قوم میں نہ ہوتا تو وہ اسکے لئے وہی اصلی لفظ اپنی مادری زبان کا استعمال کرتیں اور اس طرح نئی زبان میں اضافہ ہوتا جاتا چونکہ زمانۂ قدیم میں اسطرح کی جنگ مختلف قوموں میں اکثر ہوا کرتی تھی اس لئے مختلف قوموں کی عورتیں آپس میں مل جل کر زبان کی ترقی میں بڑا حصہ لے رہی تھیں۔

مسٹر فرنچ شلڈن (French Sheldon) لکھتے ہیں کہ مشرقی افریقہ کی عورتیں زمانۂ صلح میں دو قوموں کے درمیان ادھر سے ادھر پیام پہنچاتیں۔ اور حالت جنگ میں جاسوسی کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں اور وہ ان خدمات کو صرف اسی لئے اچھی طرح انجام دے سکتی تھیں کہ وہ مختلف زبانوں میں گفتگو کرسکتی تھیں

شمالی کلیفورنیا میں مابین کلا متھ (Klamath) مٹسن (Mutsun) مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں جو ایک دوسری سے بالکل جدا تھیں۔

امریکہ میں شادی زیادہ تر قوم کے اندر ہی کی جاتی تھی اور غیر قوم کی عورتوں سے بہت کم کی جاتی تھی اس لئے وہاں کی زبان کی قسمیں آسانی سے ہوسکتی ہیں۔ وسط امریکہ کی عورتیں بقول برنٹن بہت ملی جلی تھیں اور ان میں غیر قوموں کی عورتیں بھی شامل تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر زبان کے الفاظ بہت مل گئے افریقہ میں یہ بات نہیں ہو وہاں کی زبانیں ایک وسیع رقبہ کے اندر باہم ایکدوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں اور سارے ملک میں بہ لحاظ زبان کے صرف تین رقبے ہیں جہاں کی زبان ایک دوسرے سے مختلف رہی۔ ان تینوں رقبوں میں جنگ اور رسم غلامی کی وجہ سے عورت اور اسکے ساتھ الفاظ کا تبادلہ بہت

زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے اسلئے یہاں کی عورتیں ایک دوسرے کی زبان کو اچھی طرح سمجھ لیتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ دُنیا میں تہذیب و تمدن کی ترقی کا مفہوم سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ اس میں نئے فنون، نئے خیالات، نئے الفاظ شامل ہوتے گئے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا باعث زیادہ تر عورت ہی تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ثابت ہے۔

آسٹریلیا (Australia) میں اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت کی زبان بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے اور شادی کے بعد اپنی اپنی زبان بولتی ہیں۔ مغربی وکٹوریہ کی بعض قوموں میں مرد اُس عورت سے شادی نہیں کرسکتا جو وہی زبان بولتی ہے جو مرد کی ہے اور قبل شادی کے جب ایک دوسرے کے قبیلے میں جاتے ہیں تو اس قبیلہ کی زبان میں گفتگو کرنا ممنوع ہے۔

چین میں چوں کہ عورتیں اِدھر سے اُدھر منتقل نہیں ہوتیں اس لئے وہاں کی زبانیں بہت مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوبہ کا شخص دوسرے صوبہ کی زبان و تحریر نہیں سمجھ سکتا۔

اس قدر بیان سے یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ زبان کی اشاعت کس طرح ہوئی اور کیوں کر رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ چوں کہ عورتیں فطرتاً زیادہ گفتگو کرسکتی تھیں اور اپنے مشاغل کے لحاظ سے اُن کے پاس سرمایۂ گفتگو بہت تھا اسلئے جب وہ اِدھر سے اُدھر شادی یا غلامی کے سلسلہ میں منتقل ہوئیں تو وہ

استدراک: سلہ (J. G. Frazer Totemism)

اپنے ساتھ اپنے خیالات و الفاظ کو بھی لے گئیں۔ اور اس طرح زبان میں ترقی ہوتی گئی۔

جس طرح اختراعِ زبان کا مسئلہ اہم ہے اسی طرح حفاظت کا مسئلہ بھی ہے اور عورتوں نے اس میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ چونکہ ابتدائے عالم سے عورتوں نے مختلف ایسے فنون کی بنیاد ڈالی جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ بجائے مٹنے کے ترقی کرنے کے اہل تھے اور اب تک قائم ہیں اسلئے انھوں نے اُن فنون کے متعلق جو زبان اختراع کی اس کو بھی قائم رہنا تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت دنیا کی ہزاروں مشاغل و فنون کے متعلق کتنے الفاظ ایسے ہیں جو عورت ہی کے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔

علاوہ اسکے جب ایک قوم کی اُن روایات پر غور کیا جاتا ہے جو اسمیں زمانہ قدیم سے رائج چلی آتی ہیں تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ عورت نے حفاظت زبان میں کس قدر حصہ لیا ہے۔ قومی کہانیاں، پہیلیاں، لوریاں، گیت وغیرہ یاد رکھنا یہ سب عورت ہی کا کام ہے اور وہی اپنے بچوں کو عالم شیر خوارگی و کم سنی میں سُناتی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قوت حافظہ بہ نسبت مرد کے زبردست ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح وہ بچوں کی پرورش کے ساتھ زبان کی مشکلات کو اُس کیلئے آسان بناتی ہے اور کیوں کر اپنے دماغ سے ایک دوسرے نئے دماغ میں منتقل کرتی ہے۔ پھر حفاظت و اشاعت زبان کے علاوہ الفاظ میں تغیر و تبدل، ان کے معنی میں وسعت و اختصار، جملوں کی ترتیب میں اصلاح و تہذیب وغیرہ بھی عورت کی بڑی حد تک ممنون ہے۔ اگر ایک شخص

فرانسیسی و جرمن زبان سیکھنا چاہے تو پوری مشاقی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو کہ وہ مرد اور عورت دونوں سے تعلیم حاصل کرے۔ کیوں کہ دونوں کے محاورات اور دونوں کے انداز گفتگو میں بہت فرق ہو۔ انگلستان کے اُن مدارس میں جہاں یہ زبانیں سکھائی جاتی ہیں مرد و عورت دونوں مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ طلبہ کو مہارت تام حاصل ہو جائے۔

بہر حال زبان کے متعلق عورت کی خدمات اس قدر صاف اور کھلی ہوئی ہیں کہ اُن سے کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ایک شخص سے اس کی مادری زبان کی نسبت سوال کیا جاتا ہے۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ اسکی پدری زبان کیا ہے۔ اس کی وجہ نہ صرف یہ ہو کہ ایک شخص زبان ماں ہی کے آغوش میں حاصل کرتا ہو بلکہ یہ سبب بھی ہو کہ ماں بوجہ مخترع و محافظ زبان ہونے کے زیادہ اہل ہو کہ وہ زبان کا درس دے سکے۔

یہ امر کہ عورت کو زبان پر زیادہ قدرت حاصل ہو، یہ کہ وہ قدرتاً اختراع و حفاظت کی زیادہ اہل ہے، ہر ملک کی زبان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہو خود ہندوستان کے اندر تعلیم یافتہ و مہذب طبقوں میں دیکھئے کہ خانگی زندگی کے متعلق جس قدر بڑا ذخیرہ الفاظ کا عورت کے پاس ہو مرد کے پاس نہیں، محاورات، ضرب الامثال، لطیفے، قصص و حکایات وغیرہ یہ سب عورت ہی کے دماغ میں محفوظ ہیں۔ لکھنؤ اور دہلی میں جہاں کی اُردو کسی زمانہ میں مشہور تھی صرف عورتوں ہی کی زبان مستند سمجھی جاتی تھی اور آج بھی اگر کوئی شخص ان مقامات کی اصلی و صحیح زبان سیکھنا چاہتا ہو تو صرف عورتوں ہی سے سیکھ سکتا ہو

بڑی جماعت مردوں کی ایسی ہو جو ان کے محاورات والفاظ سے واقف نہیں ہو اس لئے ظاہر ہو کہ ان محاورات والفاظ کو عورت ہی نے اختراع کیا۔ اور وہی ان کا استعمال بتاتی ہو اگر مرد اُن کا مخترع ہوتا تو سمجھتا بھی ضرور علاوہ اس کے تمام اقوام میں کچھ نہ کچھ مراسم قایم ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ انھیں مراسم کا ہو جو عورتوں اور عورتوں کی زندگی و مشاغل سے متعلق ہیں۔ پھر اُن مراسم کے متعلق مختلف الفاظ مختلف محاورات جسقدر عورت کو یاد ہیں مرد کو نہیں۔ اُسکی وجہ ظاہر ہو کہ مردوں کو اُن مراسم سے بہت کم تعلق ہو اور اُسکے متعلق الفاظ و محاورات اُن کے دماغ میں محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔

زبان کی تہذیب و شایستگی کے متعلق یقیناً نظم یا شعرگوئی بھی اک ایسی چیز ہو جسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور شاید اس میں مرد کے کارنامے زیادہ وسیع پائے جائینگے لیکن جسوقت ہم شعر کی ماہیت و حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی عورت کا وجود قریب قریب وہی کام کر رہا ہے جو دیگر فنون کی ترقی میں عورت نے دو حیثیتوں سے ارتقار عالم میں مدد کی ہو۔ ایک حیثیت تو یہ تھی کہ خود اُس نے بعض فنون و مشاغل ایجاد کئے اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ وہ بعض فنون کی ایجاد و اختراع کا باعث ہوئی۔ یا بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض خیالات خود اس کے دماغ نے پیدا کئے اور بعض خیالات اسنے دوسروں کے دماغ میں منتقل کئے اور وہ وہاں سے رونما ہوئے۔ پس شاعری میں عورت کا حصہ اسی دوسری حیثیت سے ہو کہ اسکے اندر جن خیالات کا اظہار ہوتا ہو وہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو محتاج تشریح نہیں پھر علاوہ اس کے دو حیثیتوں کی زبان کا مطالعہ

کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ ان کے یہاں زمانۂ قدیم سے تشبیہات واستعارات کا رواج چلا آتا ہو۔ پھر وہ تشبیہات یا تو فطری مناظر سے متعلق ہوتی تھیں یا ان مناظر سے جو مشاغل حیات سے متعلق تھے۔ اور چوں کہ مشاغل حیات قریب قریب سب عورت ہی کے دم سے وابستہ تھے اسلئے اس نوع کی تشبیہات تمام تر وہی ہوتی تھیں جو عورت یا اسکے اکتسابات سے واسطہ رکھتی تھیں یہاں تک کہ زمانۂ وحشت میں انسان کی زندگی کو بھی تشبیہہ دیتے تھے اس بال سے جو کارگہ میں ادھر سے اُدھر عورت کے ہاتھ سے متحرک رہتی تھی اس سے ظاہر ہو کہ شاعری پر بھی عورت کا کس قدر اثر تھا اور ہے۔

فن تحریر کے متعلق ہم اس سے قبل ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ کس طرح عالم وجود میں آیا اور اس میں عورت نے کسقدر حصّہ لیا دنیا میں نقاشی کی اختراع غالبًا عورت ہی کی ہو جسنے اول اول اپنی ٹوکریوں اور اپنے برتنوں میں مختلف قسم کی تصاویر ونقوش بنائے اور اس لئے تحریر کی اوّلیں صورت جو صرف تصویر سازی کی صورت میں تھی یقینًا عورت ہی کی ایجاد یا اسکے ایجاد کی تقلید سمجھی جائے گی۔ اشاعت زبان کی نسبت بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اسکی باعث بھی عورت تھی۔ لیکن اگر اس صورت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور اسکے ادھر سے اُدھر منتقل ہونے کے واقعہ پر زیادہ لحاظ نہ کیا جائے تو بھی یہ ایک روشن حقیقت ہو کہ بچہ کتنے عرصہ تک ماں کے آغوش میں اور پھر اُسکے بعد کتنے زمانہ تک اسکے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اگر ماں گونگی ہو تو صرف باپ کی قوت گویائی بچہ کو زبان کی تعلیم نہیں دے سکتی کیونکہ حقیقتًا اُسکی تعلیم تو اسی وقت سے شروع ہوتی ہو جب ماں رات کی تنہائی میں صبح وشام کی

خلوت میں تنہا اس معصوم بچے سے گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہے اور باوجود اسکے کہ وہ جانتی ہے یہ کچھ نہیں سمجھا لیکن وہ اسکو قصے کہانیاں، لوریاں سنانے سے کبھی نہیں تھکتی اگر بچہ اسکی اس مجنونانہ شفقت سے متاثر ہوکر نہیں بلکہ یوں ہی بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔ تو وہ اپنی ساری محنتوں کا کافی اجر سمجھتی ہے۔ کیا مرد کی طرف سے کبھی یہ توقع قایم کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی زبان کی تعلیم اپنے بچہ کو اسقدر صبر و تحمل اسقدر سعی و کاوش کے ساتھ دے سکتا ہے؟

چونکہ تعلیم کا تعلق نفس سے ہے اور اسکو صرف ایک روحانی قوت ہی بہترین طریق سے متاثر کر سکتی ہے اسلئے مرد اس مسئلہ میں بہ نسبت عورت کے بہت کم درجہ ہے۔

نویں فصل

عورت اور معاشرت

اگر زمانہ وحشت میں کوئی سخت ترین وقت عورت کے لئے تھا تو وہ وضع حمل کا وقت تھا۔ قریب قریب تمام وحشی اقوام میں یہ دستور جاری تھا کہ جب بچہ پیدا ہونے کا زمانہ قریب آجاتا تھا، تو وہ تنہا جنگل میں نکل جاتی اور اسوقت تک واپس نہیں آتی تھی جب تک وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہو جائے۔ جب بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ اپنے جھونپڑے کو واپس آجاتی تھی، تو اُس سے کوئی سوال نہیں کیا جاتا تھا۔ بہت کم قومیں ایسی تھیں جن میں عورت کیساتھ کوئی جنگل جاتا ہو اور اسوقت مصیبت میں کوئی اسکی مدد کرتا ہو۔

گائنا کی قوموں میں عجیب و غریب دستور جاری تھا۔ اُن کی حاملہ عورتیں اخیر دن تک گھر کا کام کرتی رہتی تھیں، اور جب وضع حمل کا وقت بالکل قریب آجاتا تھا، تو وہ تنہا یا کسی عورت کے ساتھ جنگل نکل جاتی تھی۔ اور بچہ پیدا ہونے کے صرف چند گھنٹوں کے بعد گھر واپس آجاتی تھی۔ مرد یہ خبر معلوم کرنے کے بعد سارے کام چھوڑ کر کونہ میں جا کر بیماروں کی طرح لیٹ جاتا۔ اور نہانا، دھونا شکار کرنا۔ گوشت وغیرہ کھانا ترک کر دیتا۔ اور تمام عورتیں اُس کی خدمت میں مصروف رہتیں۔ گویا مصیبت اسی پر نازل ہوئی تھی۔ عورتیں اپنے

Im Thurn, Ind. of British Guinea ۔ ط

بچوں کو تین چار سال تک دودھ پلاتی تھیں اور کام کرنے کے وقت بچہ کو ایک جھولے میں ڈال کر اپنے گلے یا شانہ میں لٹکا لیتی تھیں بچے جب چلنے کے قابل ہو جاتے تھے تو وہ اپنے والدین کے مشاغل سیکھتے تھے بچہ پیدا ہونے کے بعد باپ کا گوشہ نشین ہو جانا بہت زمانۂ قدیم میں بھی رائج تھا جیسا اپالونیس (Appollonius) کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ "ٹائبیرین کی زمین میں جب کوئی عورت بچہ جنتی ہے تو مرد صاحب فراش ہو جاتا ہے اور عورت اسکی خدمت کرتی ہے" [1]

جب بچہ پیدا ہوتا تھا اس کی آیندہ قسمت کا فیصلہ کرنے میں خاندان کے حالات کو بہت دخل تھا۔ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہوتا تھا کہ بچہ کو زندہ رہنا چاہئے یا نہیں۔ اگر زمانہ قحط یا تنگدستی میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا، اور خیال ہوتا تھا کہ اس کی پرورش نہ ہو سکے گی تو اسکے منھ میں گھاس بھر کر سردی میں مر جانے کے لئے باہر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ہر شخص کو اختیار رہتا تھا کہ ایسے بچہ کو اٹھالے اور پرورش کرلے۔ لڑکیوں کے ساتھ یہ عمل خاص طور پر کیا جاتا تھا اور عیب میں داخل نہ تھا [2]

انگولا، کوٹی سا ما، میں اب بھی عورتوں کی تعداد بہت کم پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر کشی کا رواج ان میں بہت قریب زمانہ ماضی تک پایا جاتا تھا۔ انگولا کے لوگوں کی نسبت لونگ اسٹون (Livingstone) لکھتا ہے کہ

---

[1] Apoll. Rhod., II, 1012. Dall, Am. Naturalist

[2] Price. J. Anthrop. Inst. London

"ان میں لڑکے کا پیدا ہونا خوش نصیبی کی دلیل سمجھا جاتا تھا وہ عورتیں جو لڑکیاں جنتی تھیں، اکثر و بیشتر اپنے شوہروں کو چھوڑ دیتی تھیں۔ اور جن کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی وہ بسا اوقات خودکشی کر لیتی تھیں"[1]

زمانہ وحشت میں اگر لڑکی بچ جاتی تھی تو اُسکی پرورش صرف ماں اور اسکی خالہ کے سپرد ہوتی تھی۔ زمانہ تعلیم تین اور تیرہ سال کے درمیان قرار دیا گیا۔ ۱۳ سال کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ وہ عورت ہو گئی ہے۔ دس سال کے عرصہ میں جسمانی اخلاقی، دماغی ہر طرح کی تعلیم و تربیت سے لڑکی فارغ ہو جاتی تھی بعض قوموں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے خاص قواعد بھی تھے، اور اُن میں مذہب بھی شامل تھا جب لڑکی جوان ہو جاتی تھی، تو وہ عملی تعلیم سے بالکل آراستہ ہوتی تھی۔ یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں، ننھے ننھے برتن زمانۂ قدیم کی بچیوں کے ہاتھ کے بنے ہوئے پائے جاتے ہیں اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی تعلیم کس انداز سے ہوتی تھی۔

میکسیکو (Mexico) کے پرانے قوانین میں ماں کو اُستاد اور بچہ کو شاگرد کی حیثیت دی گئی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں بڑی بڑی جگہیں صرف اسلئے مخصوص تھیں کہ یہاں لڑکیوں کی تربیت کی جائے۔ عورتیں اُن کو تعلیم دیتی تھیں اور شب و روز مردچاروں طرف پہرہ دیتے تھے۔ اس جگہ سے لڑکیاں بغیر اجازت باہر نہ نکل سکتی تھیں اور جو کوئی لڑکی جاتی تھی تو اسکے پاؤں میں کانٹے چبھوئے جاتے تھے

---

[1] Travels in S. Africa

یہاں تک کہ خون نکلنے لگتا تھا۔ لڑکیوں کو یہاں کاتنا، بننا، پیروں کی چیزیں بنانا وغیرہ سکھایا جاتا تھا۔ اُن کو روزانہ نہانے کی ہدایت تھی اور خانہ داری کے تمام کام اُن کو سکھائے جاتے تھے۔ علاوہ اس کے اپنے بڑوں کے سامنے جھک جانا تہذیب سے گفتگو کرنا، اور شرمیلے اطوار رکھنا بھی بتایا جاتا تھا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت وہ اٹھتی تھیں اور دیر کاہل لڑکی کو سزا دی جاتی تھی۔ رات کو لڑکیاں نگراں عورت کے پاس سوتی تھیں[1]۔

افریقہ کی کیپ کالونی میں دو وحشی قومیں باسوٹو (Basuto) اور بانٹو (Banto) رہتی تھیں۔ ان کے ہاں زمانہ قدیم سے یہ قومی دستور جاری تھا کہ جب لڑکیاں قریب بلوغ پہونچ جاتی تھیں، تو وہ ایک مخصوص جھونپڑے میں جسے وہ بالی کہتے تھے، چھوڑ دی جاتی تھیں اور تقریباً چھ ماہ تک صرف عورتوں کی نگرانی میں کام کرتی تھیں۔ یہاں ان کو تمام مراسم، جملہ صناعات وفنون کی عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ جب تک کوئی لڑکی اس تعلیم سے فارغ نہ ہو جاتی، وہ کسی سے شادی نہ کر سکتی تھی۔

اسکیمو قوم کے بچوں کی پرورش کسی زمانہ میں صرف عورتوں کے سپرد تھی اور وہ کبھی جسمانی سزا نہ دیتی تھیں۔ لڑکیاں ہوش سنبھالتے ہی تمام کاموں میں اپنی ماں کی مدد کرنے لگتی تھیں۔ اس قوم کی روایات قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نہ صرف یہ بتاتی تھیں کہ فلاں درخت یا بوٹی کس مرض کیلئے مفید ہے اور طیور کے ظاہر و غائب ہو جانے سے کس موسم کا آغاز یا اختتام

[1] Bancroft, Native Races. N. York.

ہوتا ہے، بلکہ وہ اجرام فلکیہ کی رفتار کے متعلق بھی کچھ درس دیتی تھیں[1]۔

اوناہا قوم میں لڑکی ماں کی نگرانی میں رہتی تھی اور اسکا فرض ہوتا تھا کہ اپنی ماں کی مدد گھر کے کاموں میں کرے۔ جب وہ چار پانچ سال کی ہو جاتی، تو اس کو جنگل میں لکڑی فراہم کرنے کے لئے بھیجا جاتا۔ آٹھ برس کی عمر میں اس کو بوجھ یا گٹھا بنانا، اور پیٹھ پر لادنا سکھایا جاتا تھا۔ اور اس طرح اضافہ عمر کے ساتھ ساتھ لکڑی کا ٹنا، غلہ بونا، اور دیگر نسوانی مشاغل اسکو سکھائے جاتے[2]۔

انگولا کی عورتیں اپنے بچوں کی تربیت کرنے میں بہت مشاق تھیں۔ ایک گاؤں کے تمام بچے صبح کو ایک جگہ جمع کیے جاتے اور ایک ضعیف و تجربہ کار عورت کی نگرانی میں چھوڑ دیے جاتے۔ شام تک وہ اسکی نگرانی و تربیت میں رکھے جاتے تھے اور شام کو اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے اسطرح انکے والدین آزادی سے اپنے مشاغل فرائض کو ادا کرتے رہتے تھے، اور بچے بھی آوارہ پھرنے سے باز رہتے تھے

جب جزیرۂ انڈمان کی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں تو وہ کسی نہ کسی پھول کے نام سے پکاری جاتی ہیں وہاں اٹھارہ مخصوص پھول لانے والے درخت ہیں۔ اور جس پھول کے موسم میں لڑکی جوان ہوتی ہے وہی اسکا نام رکھ دیا

---

[1] Women of all nations.

[2] Darsey. Third, an report But Ethnot

[3] Price. J. Antnorp inst London

جاتا ہے، اور شادی کے وقت تک وہ اسی نام سے پکاری جاتی ہے لیکن شادی کے بعد اولاد ہونے پر اسکو چاناؔ[1] کہتے ہیں۔ (یعنی ماں یا خاتون)۔

جب لڑکی کا زمانۂ تربیت ختم ہوجاتا ہے، تو پھر اُس کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے، جو ایک حد تک سخت وتکلیف دہ ہوتی ہے۔ بعض قوموں میں گیارہ سال کی عمر میں لڑکی کو فاقہ کرنا پڑتا تھا اور بہت سی باتیں اُسکے لئے ممنوع ہوجاتی تھیں۔ اسکو وزنی برتن پانی سے بھرے ہوئے دور مقامات سے، اور بڑے بڑے بوجھ سر پر لادکر گھر لانے پڑتے تھے۔ پانی لانے کے لئے روز ایک دور تر مقام تجویز کیا جاتا، اور اسی طرح بوجھ کا وزن بھی روزانہ بڑھایا جاتا تھا تاکہ لڑکی محنت وجفاکشی کی عادی ہوجائے۔

تنہا زندگی بسر کرنا زمانہ وحشت میں بھی ممکن تھا، لیکن جس طرح آج ایک مرد یا عورت کے لئے مجرد رہنا زیادہ دشوار نہیں ہے، اس طرح زمانۂ قدیم میں ممکن نہ تھا۔ اسوقت بھی یہ خیال دماغوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور بعض عورتوں نے مرد سے علیحدہ ہوکر اپنے لئے زندگی کا ایک جدا راستہ اختیار کرنا چاہا تھا، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا مسٹر ڈال (Mr. Dall) اسکیمو کی ایک جوان عورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"وہ بہت مضبوط، توانا، اور حسین تھی، اس نے عہد کیا کہ وہ شادی سے باز رہیگی اور خود اپنی حیات کی تمام ضروریات مہیا کرکے زندگی بسر کرے گی۔ وہ شکار بھی کرسکتی تھی، اور تمام وہ کام انجام دیتی تھی

---

[1] Cf. Andaman, islanders, London

جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ لیکن وہ دو سال سے زائد بسر نہ کر سکی اور آخرکار اُسے اپنے عہد سے باز آنا پڑا۔"

زمانۂ وحشت میں اگرچہ عام طور سے شادیاں بالکل رسم و رواج کی پابندیوں کے ساتھ عمل میں آتی تھیں، لیکن واقعات محبت کی بھی مثالیں ان میں ملتی ہیں، چنانچہ تاہیٹی (Tahiti) کا ایک نوجوان سردار تھا اور جزیرہ کی ایک لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ اس نے پیام نکاح بھیجا اور ہر طرح سے اُسے شادی پر راضی کرنا چاہا لیکن لڑکی نے انکار کر دیا آخر وہ اپنی محبوبہ کے پاس گیا اور ایک زمانہ اس کی خدمت میں بسر کر دیا، یہاں تک کہ وہ شادی پر راضی ہو گئی۔"[1]

یہ امر ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی میں سب سے بڑا اہم واقعہ جو اس کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے اور جس کا اثر اُس کی معاشرت پر بہت گہرا پڑتا ہے، شادی ہے۔ زمانۂ موجودہ میں شادی کی جو صورتیں ہیں ظاہر ہیں اور زمانہ قدیم میں جو مراسم مختلف ممالک میں رائج تھے وہ بھی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ مندرج ہیں لیکن ہم کو یہاں مختصراً یہ دیکھنا ہے کہ زمانۂ قدیم کی عورت اس مسئلہ میں کس طرح زمانۂ حال کی عورت تک پہونچی۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے عورت کسی کی ہوتی تھی، پھر سبھی کی بیوی بنی اور اس کے بعد چند میں سے ایک کی بیوی ہوئی۔ اور شادی کے متعلق جو ارتقا رفتہ رفتہ زمانہ کے ساتھ ہوا اور اسکا امتیاز زیادہ تر عورتوں کو حاصل رہا۔

---

[1] Ellis, Polynes Research, London

تم کسی طائر کے جوڑے میں آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہو کہ مادہ کون سی ہے، کیونکہ انڈوں کو سینا، اور اپنے بچوں کی حفاظت کرنا زیادہ تر مادہ کا کام ہے۔ نوع انسان میں اور زیادہ آسانی کے ساتھ ماں کا پتہ چل سکتا ہے۔ لیکن فوراً یہ نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ باپ کون ہے، حالانکہ شادی کا مقصود حقیقتاً باپ ہی کا متعین کرنا ہے۔ باپ کا تعلق اپنی اولاد سے قریب قریب اتنا ہی شدید ہے جتنا ماں کا، لیکن یہ منحصر ہے صرف اس امر کی تصدیق پر کہ فلاں بچہ کا باپ فلاں شخص ہے۔ اگر ایک شوہر کو یہ علم ہو جائے کہ فلاں بچہ میرا نہیں ہے تو یقیناً اس کو کوئی تعلق اس سے نہ ہوگا۔ اس لئے معاشرتی زندگی میں اچھی بیوی سے زیادہ قیمتی اور اہم چیز کوئی نہیں ہے۔ وفادار بیوی کو ایک قابل قدر چیز سمجھنا یقیناً اس لحاظ سے بھی تھا اور ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک پر خلوص معاون و ہمدرد ہے، لیکن اسکی حقیقی عزت و عظمت کا انحصار صرف اس وفاداری پر ہے، جو وہ اپنے شوہر کے لئے اولاد پیدا کرنے کے سلسلہ میں ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ خصوصیت اسکی زمانۂ قدیم میں زیادہ پیش نظر رہتی تھی، زمانۂ پیشین میں بیوی کی طرف سے مرد کو کوئی چیز نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ شوہر کی طرف سے بہت سی اشیاء قبل شادی کے اسکے یہاں جاتی تھیں عورت کے اعزا ایک جگہ جمع ہو کر ان چیزوں کو دیکھتے تھے۔ اور ان کو رد کرنے کا اختیار حاصل تھا، اگر دیکھیں کہ تحائف لڑکی کے صفات کے مقابلہ میں کم قیمت ہیں یہ تحائف زیادہ تر بیل، گھوڑا اور اسلحہ وغیرہ کی صورت میں ہوتے تھے جب لڑکی رخصت کی جاتی تھی۔ تو اس کی طرف سے بھی شوہر کو چند اسلحہ پیش کئے

جاتے تھے، جس سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ وہ جنگ میں بھی مرد کے برابر حصہ لینے کے لئے پابند ہے۔

بہر حال زمانۂ قدیم میں عورت کی عظمت زیادہ تر معاشرتی نقطۂ نظر سے صرف اس خیال پر قائم تھی کہ وہ اپنے شوہر کے لئے وفادار ثابت ہوگی اور خاندان کا شیرازہ اس کی ذات سے قائم رہیگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر سے منحرف ہو جائے۔ تو گھر کا سارا نظام اور ایک قبیلہ یا قوم کی جمعیت درہم برہم ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبایل کا نظام زمانۂ قدیم میں بہت مضبوط و مستحکم تھا، اسلئے ظاہر ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی عزت کی کیسی محافظ و معاون تھی اور معاشرت کے تحفظ میں وہ اسطرح کتنا بڑا حصہ لے رہی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر اعراب کو اپنے صحت نسب پر فخر تھا، تو صرف اُس اعتماد کی بنا پر، جو اُنھیں اپنی عورتوں پر تھا۔ اور اس فخر سے اُن کے قبائل میں جیسی یکجہتی اور اتفاق کی شان پائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے۔ لیکن اگر عورت چاہتی تو اپنے قدم کی ادنیٰ اسی لغزش سے وہ اس اتفاق کا سارا شیرازہ درہم برہم کر سکتی تھی۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ وہ اپنی عصمت و عفت کی اہمیت کو سمجھتی تھی۔ اور جانتی تھی کہ معاشرت کا سارا تار و پود اُس کی مضبوطی سیرت سے وابستہ ہے اور اس کا احترام اُس نے بڑی حد تک قائم رکھا۔ اس قدر بیان سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ نکاح کے متعلق جو معاشرتی زندگی کا اہم ترین جزو ہے، عورت کا فرض کیا تھا اور اُس نے کس حد تک اس کو تکمیل کے ساتھ انجام دیا۔ اب دیکھنا ہے کہ شادی کے بعد عورت کے دیگر فرائض کیا تھے

اور اُن کی بجا آوری میں عورت نے کس قدر کوشش کی - یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کے طبعی نظام میں نر، مادہ کی مدد بہت کم کرتا ہے، وہ خود ہی اپنی حفاظت کرتی ہے، اور اپنے بچوں کی پرورش کی ذمہ دار ہے۔ طبقۂ انسان میں بھی مرد نے اپنی قوت کو عورت کی حفاظت کے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے اور عورت کو مالِ غنیمت کی طرح حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔ برخلاف اس کے عورت کی زندگی نہایت قدیم زمانہ میں بھی ایسے مستحکم و مکمل اصولِ معاشرت پر قایم تھی کہ اس وقت تک اس میں اصول کے لحاظ سے کوئی اضافہ نہیں ہوسکا۔

عہدِ تاریک کی عورت مکڑی کی طرح نہ تھی کہ وہ اپنے جال میں نر کو پھنسا کر ہضم کر جائے، اور نہ مرغی کی مانند تھی کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش میں نر کی خدمتوں کو قبول نہ کرے، اور نہ وہ چڑیا کے مماثل تھی کہ آپ ہی گھونسلا بنائے اور خود ہی اپنے بچوں کی حفاظت کرے، بلکہ وہ تقسیمِ عمل کے زیرِ اثر کام کرتی تھی اور خاندان یا قبیلہ کے مقررہ اصول کے لحاظ سے وہ اپنے فرائضِ منصبی کو علیحدہ انجام دیتی تھی۔ اب بھی ایک قبیلہ کی دیہاتی زندگی پر غور کرو اور دیکھو کہ اس سے زیادہ مکمل معاشرت اور کیا ہوسکتی ہے۔ باپ اپنی روزانہ محنت انجام دینے کے لئے ہوشیار اور سیانے لڑکوں کو لے کر چلا جاتا ہے اور ماں گھر کی ملکہ بنی ہوئی اپنی لڑکیوں کو چاروں طرف لئے ہوئے، خانہ داری کے کاموں میں مشغول نظر آتی ہے۔ قدیم زمانہ وحشت میں جبکہ یقیناً معاشری حالت یہ نہ تھی کیونکہ مرد کی زراعت کے لئے صاف زمین موجود نہ تھی۔ اور اسکو محض اپنے ہتھیار کی مدد سے فطرت

خلاف جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس کا ہل اس کی تلوار تھی اور اس کا نیزہ اس کی خوراک کا تنہا کفیل) اور مرد دنوں تک مسلسل گھر سے باہر رہتا تھا، اُسوقت عورت کا وجود گویا توازن قائم رکھنے کے لئے تھا، جو مرد کی محنتوں کو یکجا صورت میں رکھ کر ان کو دن، مہینہ، اور سال میں تقسیم کرتی تھی۔ اگر عورت نہ ہوتی تو یقیناً زمانہ قدیم کا مرد صرف شکار کرتے کرتے تھک جاتا اور اس کو کبھی فرصت نہ ملتی کہ وہ اپنی محنتوں کے نتیجہ کو ایک جگہ جمع کرکے کچھ دنوں کے لئے آرام کرسکے اگر مرد شکار کرتا تھا تو عورت اسکے ہر ہر جزو سے کام لے کر مرد کی محنت کو ٹھکانے لگاتی تھی۔ اور اگر مرد باہر چلا جاتا تھا تو وہ اس کی غیبت میں گھر کو سنبھالنے بچوں کی پرورش کرنے اور اُن کو تربیت دینے میں اپنا وقت صرف کرتی تھی۔

ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوگا کہ زمانۂ قدیم کی وحشی عورت معاشرت کو ترقی دینے کی کس قدر اہل تھی۔ اور وہ تنہا چھوڑ دیے جانے کی حالت میں بھی سب کچھ کرسکتی تھی۔ ہرن ((Hearne) اپنی سیاحت کناڈا میں لکھتے ہیں کہ۔

"جنگل میں ایک دن صبح کو ہم لوگ شکار کی غرض سے جا رہے تھے اتفاقاً جوتے کے نشانات زمین پر دیکھے نشان سے معلوم ہوتا تھا کہ برف پر چلنے کا ایک بھدا جوتا تھا۔ لوگ سراغ لگاتے لگاتے چلے جا رہے تھے۔ آخرکار بہت دور جاکر ایک جھونپڑا ملا جہاں ایک نوجوان عورت تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ جانچ سے معلوم ہوا کہ وہ مغربی حصۂ ملک کی لڑکی تھی جسے اس ملک والوں نے ۱۷۷۰ء کے ایام گرما میں مقید کرلیا تھا، اور وہ دوسرے سال چھپ کر اپنے

ملک کو واپس جا رہی تھی لیکن متعدد دریاؤں اور جھیلوں کے خم و پیچ میں راستہ بھول گئی اُس نے یہیں جھونپڑا بنا لیا اور رہنے لگی۔ اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سات مہینہ سے یہاں تنہا زندگی بسر کر رہی تھی، اور اس عرصہ میں ایک انسان بھی اسکو نظر نہ آیا تھا۔ اس عرصہ تک زندہ رہنے سے ظاہر ہے کہ جو طریقے اس نے فراہمی غذا کے لئے اختیار کیے، وہ کیا تھے۔ اس کی صحت نہایت اچھی تھی، اور جسم بہت توانا تھا۔ جب وہ بھاگی تھی تو اسکے پاس ہرن کی تانت کے کچھ ٹکڑے موجود تھے۔ جب وہ ٹکڑے جال بنانے اور کپڑا سینے میں صرف ہو گئے تو اُسنے خرگوش پکڑ پکڑ کر، اس کی نسوں کی تانت بنائی، کھال کا لباس طیار کیا۔ جو لباس اس نے طیار کیا تھا وہ بہت گرم اور خوبصورت تھا کیونکہ اس لباس میں اسنے جنگل کی بہت سی رنگین بیدا وار ٹانک کر عجیب وحشیانہ حُسن پیدا کر لیا تھا۔ جو اوقات شکار سے بچتے تھے ان میں وہ بید کی چھالوں کے ریشے نکال نکال کر جال طیار کرتی تھی، تاکہ اس کی مدد سے مچھلیاں پکڑے۔ پانچ چھ انچ کا ایک لوہے کا چھلا، جس کو اُس نے چاقو کی صورت میں تبدیل کر لیا تھا اور پتھر کا ایک ٹکڑا جس سے وہ سنالی کا کام لیتی تھی۔ یہ تھے اُس کے اوزار جن سے اُس نے برف پر چلنے کا جوتہ اور چند کارآمد چیزیں تیار کر لی تھیں۔ آگ بنانے کے لئے اس کے پاس دو پتھر کے

ٹکڑے تھے، جن کی رگڑ سے چنگاریاں پیدا ہوتی تھیں، چونکہ یہ طریقہ
بہت دیر طلب تھا، اس لئے ایک بار آگ پیدا کرنے کے بعد
اس نے پھر بجھنے نہیں دیا تھا۔"

اس بیان سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ وحشت میں عورتیں کیا کیا کرتی تھیں، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہد تاریک میں کیسی عورتیں پیدا ہوتی تھیں۔ علاوہ بریں اس سے اس رائے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ وحشی عورتیں خود اپنا کوئی خیال نہ رکھتی تھیں۔ زمانۂ قدیم سے جو فطری تعلق عورتوں کو حیات منزلی سے چلا آتا ہے، وہی حقیقتاً معاشرتی ترقی کا باعث ہوا ہے

یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عورت نے گھر کی بنیاد ڈالی یعنی جس طرح جانوروں میں مادہ اپنے بچوں کے لئے گھونسلا یا بھٹ تیار کرتی ہے، اس طرح عورت نے بھی سب سے پہلے زندگی کے اس اہم ترین مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ پہلے اسنے غاروں کو تجویز کیا لیکن وہاں دھواں گھٹ جانے کی وجہ سے آگ قائم نہ رہ سکتی تھی۔ اسلئے اسنے ایسے غار تلاش کئے، جو دونوں طرف سے کھلے ہوتے تھے۔ جب رفتہ رفتہ اسنے خیمے بنانے سیکھے، تو اسنے پرانی لکڑیوں کو جلا کر آگ کے مسئلہ میں بہت آسانی پیدا کی، اور کوئلہ تیار کرکے جس میں دھواں نہیں ہوتا اسنے اپنے آرام کو اور زیادہ مکمل کر لیا۔ جب مکان مٹی اور پتھر وغیرہ کے بننے لگے، تو مرد نے تعمیر میں حفاظت کے مسئلہ پر غور کیا۔ اور عورت نے اپنی صنعت و حرفت کے لحاظ سے اسکی تعمیر میں ویسی ہی رعایتیں رکھیں نہ صرف آج بلکہ زمانۂ قدیم میں بھی مرد اپنے مکان کو ایک تکیہ تصور کرکے رہتا تھا اور عورت اسے اپنی

محنتوں اور صنعت و حرفت کی جگہ خیال کرکے رہتی تھی، اور اس سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ عہد وحشت و بہیمیت صرف جنس کرخت کے کارناموں کا نام ہے اور عہد صلح و آشتی عورت کی زندگی کی داستان۔

گھر کی زندگی میں تنور، دودکش، باورچی خانہ، کھانے کا کمرہ، سونے کا کمرہ یہ سب عورت ہی کے اختراعات ہیں جن پر اب تدریجی ترقی کے ساتھ گھر کی زیبائش و آرائش اور جسم کا آرام و آسائش منحصر ہے۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے جس وقت ہم عہد قدیم کی عورت کو دیکھتے ہیں تو اور زیادہ تعجب ہوتا ہے کیونکہ بہت سے وہ معاصی جو مرد سے سرزد ہوتے تھے، عورت ہمیشہ اُن سے متنفر رہتی تھی۔ امریکہ افریقہ، ایشیا کے تمام وحشی مرد مسکرات کا استعمال کیا کرتے تھے لیکن عورتیں کبھی اُن کو نہ چھوتی تھیں۔ مسٹر ڈاج کا بیان ہے کہ سکر (مخموری) عورت کی صفت ہی نہیں ہے۔ میں نے اپنی تمام عمر میں عورت کو کوئی مسکر چیز استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ ہندوستان میں جنگلی اور چھوٹی قوموں کے مرد جو اب تک وحشی حالت میں پائے جاتے ہیں، شراب وغیرہ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں لیکن اُن کی عورتیں اُن سے بالکل مجتنب رہتی ہیں۔ بالکل یہی حال افریقہ کا ہے اس کی وجہ پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ وحشت میں عورت، مرد سے جدا ایک خلوت کی زندگی بسر کرتی تھی اور اس کو اپنے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ وہ تعیشات کی طرف متوجہ ہو۔ ایک خاندان گویا دو حصوں میں منقسم ہوتا تھا، ایک حصہ جوان مردوں کا ہوتا تھا، دوسرا بچوں، عورتوں اور ضعیف بڈھوں کا۔ وہ سیر و شکار، لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے اور یہ انتظام خانہ داری میں

منہمک۔

قدیم مذہبی لٹریچر کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت معاشرت و تمدن میں مرد کے دوش بدوش تھی۔

ویدوں کے عہد تہذیب میں عورتوں کا رتبہ بہت بلند تھا۔ رگ وید کے بعض نہایت عمدہ گیت عورتوں ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں شادی ایک نہایت متبرک چیز خیال کی جاتی تھی۔ شوہر اور بیوی، دونوں گھر کے مالک سمجھے جاتے تھے، اور دونوں ساتھ پرستش کرتے تھے۔ اس وقت بیوہ کے ستی ہونے کا دستور نہ تھا۔ بلکہ اس کے برعکس رگ وید میں بیوہ عورت کو ہدایت کی گئی تھی کہ

"اے عورت اٹھ، دنیائے حیات میں آ، تو نے اپنی خدمات بحیثیت بیوی ہونے کے نہایت اچھی طرح انجام دی ہیں[1]"

ظاہر ہے کہ معاشرتی ترقی، داعیات انسان کے تنوع پر منحصر ہے، اور وہی ذرائع جو خواہشات کو پورا کرتے ہیں، رفتہ رفتہ معاشرت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسلئے زمانہ قدیم کی عورت نے جیسی ترقی معاشرت میں کی اظہر ہے۔ کیونکہ وہ صرف مختلف فنون کے ذریعہ سے خاندان کی ضروریات کو پورا کرتی تھی، بلکہ بچوں کی تربیت بھی وہ اپنے ہی مشاغل کے نقطہ نظر سے عمل میں لاتی تھی۔ اور اقتصادی حیثیت سے بھی اس کے فرائض کثیر تھے۔ آپ دنیا کی مختلف قوموں کی تاریخ قدیم کا مطالعہ کیجئے، تو آپ متحیر ہونگے کہ وہی عورت جو اس

---

[1] Hunter, Gaz: of India

زمانہ میں ایسی بیکار و معطل نظر آتی ہے عہد ماضی میں کیسی نعمت و برکت سمجھی جاتی تھی اور اس کا اقتدار قوم کی سوسائٹی میں کس حد تک تسلیم کیا گیا تھا۔

چین میں زمانۂ قدیم کی عورت کو جو عزت حاصل تھی اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ چینی زبان کی ایک انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف ۱۶۲۸ ابواب میں سے ۱۳۷۶ ابواب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہو کہ زمانۂ قدیم کی چینی عورت کتنی صناعات کی مالک مخترع تھی اور نیز یہ کہ اس کی ادبی قابلیت کس حد تک ممتاز و ممیّز تھی۔

برما میں زمانۂ قدیم کی عورت کا جو درجہ سوسائٹی میں تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تجارت تمام عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ مرد کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا اور ہر قسم کی تجارت عورت ہی انجام دیتی تھی۔ پھر اسی کے ساتھ اُنکی اخلاقی حالت اسقدر درست تھی کہ کبھی اس کی شکایت نہیں سنی گئی کہ صحیح النسل برما کی عورت نے اپنے شوہر سے بیوفائی کی ہو۔ تمام وحشی اقوام میں آسام کی کوکی قوم شائد بدترین قوم ہو لیکن غذا مہیا کرنا۔ لکڑی جمع کرنا۔ کاتنا بُننا یہاں بھی عورت کے سپرد ہو۔

شمالی ہند کی وحشی عورتیں، جن میں اب تک زمانۂ قدیم کے بہت سے مراسم پائے جاتے ہیں، کسی زمانہ میں عام طور سے اپنے شوہروں کو تجارت کے کاموں میں بہت مدد پہونچاتی تھیں۔ زراعت کا کام کرنا۔ خانہ داری کے انتظام کو دیکھنا، کاتنا۔ بُننا۔ جانوروں کو چراگاہ میں لے جانا سب عورت ہی کا کام تھا اور ہو۔

مذہبی و قومی روایات بچوں کو سنانا، اور یاد کرانا عورتوں ہی کا فرض تھا۔ وہ یہ بھی دیکھتی رہتی تھیں کہ مرد قومی و مذہبی شعائر کا احترام رکھتے ہیں یا نہیں اگر کوئی شخص ان کی خلاف ورزی کرتا، تو عورت مذہبی پیشوا کو اطلاع دیتی، جو اس کی تلافی کی تدبیر بتاتا اور عورتیں اس پر عمل کرتیں

جنوبی ہند میں بہت سی ہندو قومیں اب تک قدیم وحشیانہ حالت میں پائی جاتی ہیں اور ان میں وہی مراسم اب تک دیکھے جاتے ہیں جو کسی وقت زمانۂ قدیم میں تھے۔ جو ہندو قومیں زیادہ مہذب ہوتی جاتی ہیں، ان میں عورت کا اقتدار کم ہوتا جاتا ہے، لیکن جو اب تک قدیم مراسم کے پابند ہیں، ان میں عورت کا درجہ ہنوز بہت بلند دیکھا جاتا ہے۔ عورتیں ہی تمام مراسم مذہبی کو ادا کرتی ہیں، وہی بچوں کو مذہبی اعتقادات و روایات سکھاتی ہیں۔ اور وہی ان کی عملی زندگی کی تربیت کی ذمہ دار ہیں۔ مرد کو دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں، چنانچہ ان میں ایک مشہور مثل چلی آتی ہے کہ مرد گھر سے باہر شیر ہے، لیکن گھر کے اندر لومڑی"

اینو Ainu قوم کی عورتیں، جو فی الحقیقت قدیم جاپان کی باقیات میں سے ہیں، اب تک اپنی قدیم صناعات کی محافظ ہیں۔ زراعت کے کاموں سے جو وقت بچتا ہے۔ اس میں وہ جنگلی ناریل اور چھال جمع کر کے گھر لاتی ہے۔ ناریل ایام سرما کے لئے محفوظ رکھ دئے جاتے ہیں اور چھال کے ریشوں کو بٹ کر بننے اور سینے کے کام میں لایا جاتا ہے، نیل کے درخت سے اکثر رنگنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس قوم کی عورت کا تنہا فخر یہ

ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے بہترین لباس تیار کرے۔ جب کسی دعوت میں شوہر گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا ہے، تو عورت اُسکے پیچھے پیچھے دوڑتی جاتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اُسکی خدمت کر سکے۔

آسٹریا ہنگری میں بوہیمیا (Bohemiah) قوم کی قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں عورت کا درجہ بہ لحاظ فراست و دانائی کتنا بلند تھا۔ ان کی ایک روایت ہے کہ، جب منارۂ بابل کی تعمیر میں خدا نے شکست دی، تو کچھ لوگ دریائے اوگرا اور مولدان کے درمیان حصۂ خشکی میں پہونچکر آباد ہو گئے۔ چونکہ اس جماعت کے سردار کا نام بوہمس تھا اس لئے اس حصۂ ملک کا نام بوہیمیا ہو گیا۔ پہلے ہر شخص اپنی جگہ آزاد زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن کچھ دنوں بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی سردار مقرر کیا جائے چنانچہ کروسیو (Croces) منتخب کیا گیا۔ اس کی تین لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی علم الادویہ کی ماہر تھی، دوسری اپنی مذہبی روحانیت کے لحاظ سے بڑا رتبہ رکھتی تھی، تیسری لبوسا اپنی فراست و دانائی میں مشہور تھی۔ جب کروسیو مر گیا۔ تو لبوسا اس کی جگہ سردار مقرر کی گئی۔ اس کی فراست و ذہانت کے واقعات کثرت سے اس قوم کی روایات قدیمہ میں پائے جاتے ہیں۔

حسب روایت ٹیسی ٹس ((Tacitus)) معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں جرمن کے مرد اپنی عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے یہاں تک کہ انھیں دیوی سمجھ کر کوئی کام اس وقت تک شروع نہ کرتے تھے، جب تک ان کا مشورہ حاصل نہ کر لیا جاتے۔

پوبلو کی عورت، اس لحاظ سے کہ وہ بے انتہا محنتی، بیحد جفاکش اور بہت سی صناعات کی مالک تھی، زمانۂ قدیم میں ملکی تجارت وسیاست پر اپنا بہت بڑا اثر رکھتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی مصنوعات کو دور دراز مقامات تک لے جاکر فروخت کرتی تھی، بلکہ خود اس ملک میں بھی دُور دُور کے تاجر آتے تھے۔ اور اس کی مصنوعات کہ جن میں مختلف قسم کے ظروف، کھانے اور متعدد اقسام کے کپڑے ہوتے تھے خرید کرلے جاتے تھے۔ عام طور سے تجارت عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہی سودا کرتی تھی۔ پوبلو کی عورت زمانۂ قدیم میں تجارت کے اصول سے اس قدر باخبر تھی کہ وہ نہ صرف اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی بڑی قیمت حاصل کرتی تھی بلکہ اپنی کفایت شعاری وحسن انتظام سے چند دن میں معقول سرمایہ و دولت کی مالک ہو جاتی تھی۔ علاوہ اس کے وہ بہت حلیم وبردبار ہوتی تھی اور کیرکٹر کی مضبوطی بھی اس کی خاص صفت تھی۔ وہ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی تھی، لیکن پیار میں ان کو خراب نہ ہونے دیتی تھی اور تربیت کا خاص لحاظ رکھتی۔ وہ اپنے صحیح نسوانی اخلاق کے لحاظ سے بھی بہت دلیر اور جری تھی۔ والپی (Walpi) کی پہاڑی پر زمانۂ قدیم کے تصویری رسم خط میں ایک عورت کا حال درج ہے، جس نے صرف ایک کتّے کی مدد سے نواہو قوم کے مردوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ عورت اپنی کھیتی کی حفاظت کر رہی تھی کہ مردوں نے آکر گھیر لیا اور زبردستی گرفتار کرکے لیجانا چاہا لیکن اُسنے ان کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مذہبی زندگی میں بھی یہاں کی عورت کا بڑا اثر تھا۔ کوئی مذہبی رسم اس وقت تک تکمیل کے ساتھ ادا نہ ہو سکتی تھی۔

جب تک عورت کا ہاتھ اُس میں شامل نہ ہو۔ ان کے علم الاصنام میں کثرت سے دیویاں پائی جاتی ہیں جن میں قریب قریب عورتوں کے تمام مشاغل صناعات کو مذہبی نقطۂ نظر سے زندہ رکھنے کی کوشش کی گئی کوئی نسائی صنعت ایسی نہیں ہے اور اسکی زندگی کا کوئی شغلہ ایسا نہیں ہے جو کسی روحانی قوت سے منسوب نہ ہو۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں یہ ریگستان صحرا کی رہنے والی عورت تہذیب و تمدن کے ارتقار میں کتنا حصہ لے رہی تھی۔

جزیرۂ سنڈا (Sunda) اور سلی بیس (Celebes) کی عورتیں عہد قدیم میں مردوں کی بہترین مشیر تھیں اور تمام معاملات میں، خواہ وہ معاشرت سے متعلق ہوں یا تجارت سے، مذہب سے وابستہ ہوں یا صنعت و حرفت کے تا وقتیکہ عورت کی رائے نہ حاصل کر لی جاتی، مرد کبھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا یہاں کی عورتوں نے اپنی سوسائٹی کا یہ قانون مقرر کیا تھا کہ اگر کوئی عورت بیکار و معطل نظر آئی، تو ساری عورتیں اس سے تعلق چھوڑ دیتیں اور اس سے کوئی بات نہ کرتا۔

ٹگا سگر میں معاشرت کے لحاظ سے عورت مرد کی ہم رتبہ سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی مرد عورت کی توہین کرتا تھا، تو گاؤں کے کھیا سے جو ہمیشہ عورت ہوتی تھی۔ اطلاع کی جاتی تھی۔ یہ کھیا عورت تحقیق کے بعد گاؤں والوں کو حکم دیتی تھی کہ مرد کو یہ سزا دی جائے اور اُس حکم کی تعمیل ہوتی تھی۔ نیوگا ئنا میں جب دو قومیں باہم جنگ ہوئی تھی تو وہ زخمی یا قیدی

جس پر عورت اپنا ملبوس ڈال دیتی تھی، نہ ہلاک کیا جاتا تھا اور نہ اُس کی آزادی چھینی جاتی تھی۔ خواہ وہ کتنا ہی زبردست دشمن ہو اور اسکی ہلاکت قوم کے لئے کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو۔

الاسکا میں زمانۂ قدیم کی عورت سوسائٹی پر بڑا اثر رکھتی تھی۔ اس کے اختیار میں تھا جب چاہے مردوں کو جنگ پر آمادہ کرے اور جب چاہے صلح کرا دے۔ کوئی مجلس شوریٰ اسوقت تک نہیں مکمل ہو سکتی تھی جب تک مردوں سے چہار چند تعداد عورتوں کی شامل نہ ہو۔ اسی طرح مسی سپی کے مشرق میں نسب نامہ یاد رکھنا، قبائل کی اجتماعی حیثیت کا قیام، صرف عورت پر منحصر تھا وہی زمین و آسمان کی مالک سمجھی جاتی تھی اور وہی تمام مشوروں کی روح رواں تھی۔ جنگ بھی اُسی کے حکم سے ہوتی تھی اور شرائط صلح بھی وہی منضبط کرتی تھی۔ غلام اُسی کی سپردگی میں رہتے تھے اور وہی خاندانوں میں شادی کا انتظام کرتی تھی۔ بچوں کی تربیت اور اُن کے مستقبل پر اُس کو پورا اقتدار حاصل تھا۔ یہ قومیں اب قریب قریب فنا ہو گئی ہیں۔ لیکن اب بھی جو افراد باقی ہیں۔ اُن کے دیکھنے سے قدیم عورت کے گزشتہ عروج کا پتہ چلتا ہے

ہوپا قوم میں جب کوئی لڑکی جوان ہوتی تھی، تو ایک خاص رسم ادا کی جاتی تھی یعنی وہ اپنی دادی کی نگرانی میں چھوڑ دی جاتی تھی۔ زمانہ نگرانی میں وہ کسی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتی تھی وہ جھالر لگا ہوا لمبا کرتا استعمال کرتی اور روزہ رکھتی تھی۔ اس کا یہ بھی فرض ہوتا تھا کہ وہ کوئی نامناسب بات اپنے منہ سے نہ نکالے اور جھوٹ بولنا قطعاً ترک کر دے۔

جزائر پالینیشیا کی عورتیں اپنے بچوں کو جسمانی سزا کبھی نہ دیتی تھیں بلکہ ان کی تربیت، صرف اپنی عملی زندگی کا نمونہ پیش کر کے، عمل میں لاتی تھیں۔

جزیرۂ سموا میں بھی بچوں کی تربیت لطف و رافت سے عمل میں لائی جاتی تھی اور مائیں کبھی اپنی اولاد کو جسمانی سزا نہ دیتی تھیں۔ یہاں اور اس کے تمام اطراف کے جزائر میں یہ دستور تھا کہ گاؤں کی سب سے زیادہ ہوشیار عورت کو منتخب کر لیتے تھے اور اُسے "وٹاپوکا" لقب دیا جاتا تھا۔ اس عورت کے اختیارات گاؤں کی معاشرت پر بہت وسیع ہوتے تھے اور وہ سارے گاؤں کے لڑکوں لڑکیوں کی فرمانروا سمجھی جاتی تھی۔ ایک بڑا جھونپڑا وسیع احاطہ میں بنا دیا جاتا تھا۔ اور یہیں وہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتی تھی۔

جزائر ماوری (نیوزیلینڈ) کی عورت، عہد قدیم میں بڑی صاحب اقتدار تسلیم کی جاتی تھی۔ زندگی کے تمام شعبوں میں وہ صرف مردوں کی مشیر و رہنما تھی بلکہ خود بھی مستقل طور سے ایک بڑی ذی اثر ہستی سمجھی جاتی تھی۔ وہ حالت جنگ میں مردوں کے دوش بدوش لڑتی تھی اور گاؤں کی حفاظت میں بڑا حصہ لیتی تھی۔ تمام معاملات میں خواہ وہ گھر سے متعلق ہوں یا قوم سے، امن سے وابستہ ہوں یا جنگ سے، عورت کا مشورہ ضرور حاصل کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سردار مر جاتا تھا تو اولادِ نرینہ نہ ہونے کی صورت میں، حق سیادت عورت ہی کو حاصل ہوتا تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت بالکل عورت کے سپرد تھی۔ وہ لڑکیوں کو نسائی صناعات اور لڑکوں کو مردانہ ورزشیں سکھاتی تھی اور اس تعلیم و تربیت کو ایک مذہبی حیثیت دے دی گئی تھی تاکہ ہر عورت اپنے بچوں کی تربیت پر مجبور ہو جائے۔

جزائر ملی نیشیا میں عورت کے حقوق بہت وسیع تھے اور تقسیم جائداد میں لڑکی کا حصہ بھی لڑکے کے برابر ہوتا تھا۔ ماں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا اور ننھیال کے لوگ زیادہ عزیز سمجھے جاتے تھے۔ تمام معاملات عورت ہی کے مشورے سے طے ہوتے تھے، مرد کوئی خرید و فروخت نہ کر سکتا تھا، جب تک عورت کی اجازت نہ حاصل کر لی جاتی۔ عورت جو دولت اپنی محنت سے حاصل کرتی تھی، اس پر مرد کو کوئی اختیار نہ ہوتا تھا۔ عورت اس سے تجارت کرنے یا جس طرح چاہے صرف کرنے کی مجاز تھی۔

جزیرۂ جاوا کی وحشی اقوام میں تجارت بالکل عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔ ریفلیس (Raffles) نے اپنی تاریخ جاوا میں لکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں باوجود اس کے کہ جدید تہذیب سے بالکل ناآشنا ہیں، بے انتہا ایمان دار، وفادار و باحیا ہوتی ہیں۔ یہ بہت محنت کرتی ہیں اور کوئی لمحہ بیکار نہیں گزارتیں۔ یہاں کی دولت کا بڑا حصہ عورتوں کے قبضہ میں ہے، جسے وہ اپنی صنعت و حرفت اور قوت بازو سے حاصل کرتی ہیں۔ مٹی کے برتن تیار کرنا اور کپڑا رنگنا ان کی خاص صنعت ہے، جو زمانۂ قدیم سے ان میں رائج چلی آتی ہے۔[1]

لباس کے مسئلہ میں زمانۂ قدیم کی عورت، مرد سے زیادہ شائستہ تھی، جس کا ثبوت اس وقت بھی وحشی عورتوں کی وضع ملبوس کو دیکھ کر مل سکتا ہے۔ جزیرۂ انڈمان کے مرد بالکل برہنہ رہتے ہیں لیکن عورتیں اپنے مخصوص حصۂ جسم کو پتوں سے ڈھکا ہوا رکھتی ہیں۔ مرد صرف ایک پٹی کا استعمال کرتے ہیں لیکن عورتیں پہلو بہ

---

[1] Women of all nations

پانچ پیٹیاں استعمال کر کے اپنے حصّہ جسم کو مستور رکھتی ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ جنوبی حصہ انڈمان کی عورتیں بہت شرمیلی ہوتی ہیں اور اپنے پتوں کا ملبوس وہ کسی کے سامنے نہیں اُتارتیں، یہاں تک کہ ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی برہنہ نہیں ہوتی۔[1]

گودنا اختراع کرنے کے لحاظ سے عورت کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور عورت ہی پہلے اس کا کام انجام دیتی تھی۔

پالینیشیا میں جب مرد گودنا گدواتا تھا، تو اپنی بہن کی گود میں سر رکھ لیتا تھا جو گا گا کر اس کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ موسیقی کو تسکین پہنچانے کا ذریعہ بنانا عورت ہی کا انکشاف ہے۔[2]

میجر آسٹن (Major Auston) صوبہ بنگال کے جنوب میں پہاڑی قوموں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اُن کی عورتیں بہت شرمیلی ہوتی ہیں اور ہندوستان کی دیگر مہذب عورتوں کی طرح اپنے بدن کے کسی عضو کو نمایاں کرنا پسند نہیں کرتیں۔"

امریکہ کی تمام وحشی قوموں میں عورت کے ملبوس کا دامن مرد کے دامن سے زیادہ دراز ہوتا ہے۔ اسکیمو میں ہرن اور سیل مچھلی کی کھال کا ملبوس جو عورتیں اپنے لئے تیار کرتی ہیں ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ مغربی ساحل کی عورتیں ارگن سے لیکر خلیج کلیفورنیا تک ایک قسم کا لمبا لہنگا استعمال کرتی ہیں

---

[1] Man, Andaman Islanders

[2] Bancroft, Native Races

جو چھال کے ریشوں اور گھاس سے بنایا جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں بھی عام طور سے عورتوں کا لباس بہت پردہ کا ہوتا ہے۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی عورتیں بھی اس مسئلہ میں بہت باحیا اور شرمیلی ہیں[1]۔

الغرض جس قدر غائر مطالعہ کیا جائیگا، ایک شخص اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ وحشی قوموں کی ترقی و تہذیب زیادہ تر عورتوں کے ذریعہ سے ہوئی۔ جب وحشی مردوں کے پاس تہذیب جدید آتی ہے تو تیر و کمان اُن سے لے کر بندوق دیدیتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ جنگ کی ممانعت بھی کر دیتی ہے۔ وحشی مرد یہ معلوم کر کے مضمحل و کاہل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی اور کام ہی نہیں۔ لیکن وحشی عورت جدید تہذیب سے آشنا ہو کر اپنی صنعت و حرفت میں ترقی کرنے لگتی ہے، کیونکہ جدید تہذیب اُن کی گزشتہ زندگی میں کوئی اضافہ یا تغیّر و تبدل کرنے سے معذور ہے۔

قدیم قوموں کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ادنیٰ درجہ کی قوموں میں بھی عورتیں شریفانہ جذبات اور اخلاقی جراُت رکھتی ہیں۔

سمو ا میں سرداروں اور خاص خاص لوگوں کی بیویاں صحرا نوردی میں اپنے شوہروں کا ساتھ دیتی تھیں تاکہ زخمی یا بیمار ہونے کے وقت ان کی تیمار داری کر سکیں وہ جنگ کے وقت بھی اپنے مخصوص اسلحہ کو لے کر مردوں کے دوش بدوش لڑتی تھیں۔ کلیڈ دنیا میں جنگ کے وقت عورتوں کے دو گروہ ہو جاتے تھے ایک گروہ مردوں کے ساتھ رہ کر نبرد آزمائی میں مصروف رہتا تھا اور دوسری جماعت پیچھے رہ کر رسد رسانی کی خدمت انجام دیتی تھی۔

---

[1] David Kerr Cross

ٹیسی ٹس (Tacitus) صدیوں قبل کا حال لکھتا ہے کہ

"جرمنی میں عورتیں بحالت جنگ مردوں کے ساتھ رہتی تھیں اور زخمیوں کی تیمار داری کرتی تھیں جب وہ دیکھتی تھیں کہ اُنکے مرد پیچھے ہٹ رہے ہیں تو وہ اُن کو غیرت دلاتی تھیں اور ایک نیا جوش ان میں پیدا کر دیتی تھیں۔ جب مارکس آریلیس (Marcus) (Aurilious) نے مارکمانی کواڈی (Marcommani) (Quadi) کو شکست دی ہے تو مقتولین میں مسلح عورتوں کی بھی کافی تعداد پائی گئی تھی[1]"

عرب میں بھی زمانۂ جاہلیت کی عورتیں مردوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر لڑتی تھیں، اور اشعار رجز سے مردوں کے اندر حمیت غیرت کے جذبات پیدا کر کے جنگ پر آمادہ کرتی تھیں۔

ہالینڈ کی قدیم تاریخی روایات میں جس نے کنا ہسلار کا حال پڑھا ہو، وہ سمجھ سکتا ہے، کہ کس طرح ایک عورت نے صرف تین سو عورتوں کی مدد سے سخت خونریز لڑائی میں، ہالینڈ کو اسپین والوں کے قبضے سے بچالیا۔

جزیرہ جاوا میں ایک قوم بالی کے نام سے مشہور ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس کی عورتیں اس قدر غیور تھیں کہ جب ڈچ فوج نے انکے گانوں کا محاصرہ کیا ہے، تو قریب قریب تمام عورتوں نے خودکشی کر لی اور اس کو گوارا نہیں کیا کہ غیر مردوں کے قبضہ میں چلی جائیں۔

---

[1] Tacitus Germania

قدیم جاپان میں ایک طبقہ عورتوں کا سمورائی کے نام سے مشہور تھا۔ ان کو فنون حرب بھی سکھائے جاتے تھے۔ قلعوں کی حفاظت، دشمن کی مدافعت یہ نہایت عمدگی و کامیابی کے ساتھ کرتی تھیں اس طبقہ کی عورتیں اب بھی جاپان میں پائی جاتی ہیں، لیکن بہت کم اور اس خصوصیت سے بالکل معرّا۔

شمالی البانیا میں کسی وقت یہ دستور قائم تھا کہ ایک عورت اگر چاہے تو مرد بن سکتی تھی۔ اس کے لئے اُسے پہلے ایک مذہبی عہد لینا پڑتا تھا اور اسکے بعد وہ مردانہ لباس اختیار کر لیتی تھی اور سر کے بال صاف کرا کے ہتھیار اُٹھا لیتی تھی۔ جنگ کے زمانہ میں برابر مردوں کے ساتھ لڑائی تھی اور تمام عمر اس کو تجرد میں گزارنی پڑتی تھی۔ اگر کبھی اس کے کوئی اولاد ہو جاتی تھی۔ تو وہ معہ بچہ کے ہلاک کر دی جاتی تھی۔ اور اُس بچہ کا باپ بھی مار ڈالا جاتا تھا اگر پتہ چل جائے۔[1]

ہندوستان کی تاریخ قدیم میں بھی عورتوں کے محاربانہ کارنامے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ الغرض معاشرت کے متعلق کوئی شعبہ ایسا نہیں نظر آتا جس کی ترقی میں عورت نے حصہ نہ لیا ہو۔ اخلاق ہو یا اقتصاد، زراعت ہو یا تجارت، صنعت و حرفت ہو یا مذہب و سیاست، عہد امن و صلح ہو یا زمانۂ حرب و جنگ، عورت نے سب میں اپنی ہستی کو ضروری تسلیم کرا دیا ہے۔ بعض شعبے تمدن کے مثلاً اقتصاد و صنعت تو بالکل اس کی ذات سے قائم ہوئے اور اُسی نے ان کو ترقی تک پہونچایا ہم مختلف ممالک کے اُن زمانوں کا ذکر نہیں

---

[1] Women of all Nations

کرتے، جب عورتوں کے زیر سیاست اُنھوں نے بڑی بڑی ترقیاں حاصل کیں، کیونکہ یہ بیان ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے جو غالبًا اس کتاب کا حصۂ ثانی ہوگی، لیکن یہاں یہ اشارہ غالبًا خلاف محل نہ ہوگا کہ انگلستان نے، جو اس وقت دنیا کے مہذب ترین ممالک میں شمار کیا جاتا ہے صرف عورتوں ہی کے عہد میں نمایاں ترقی حاصل کی، اور اسی عہد کے برکات و اثرات ہیں کہ اس وقت ہم اُس کے ارتقار کو اس قدر بلند و ممتاز پاتے ہیں۔

دسویں فصل

مذہب اور عورت

عالم روحانیت کے متعلق کوئی خیال قائم کرنا اور اس خیال کے ماتحت افعال کا سرزد ہونا، ان دونوں کا مجموعہ مذہب کہلاتا ہے جو خیال قائم کیا جاتا ہے اسے عقیدہ کہتے ہیں اور جو افعال بر بنائے عقیدہ ہم سے ہوتے ہیں انھیں شعائر سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض دنیا کا کوئی مذہب عقائد و شعائر سے زائد کوئی چیز نہیں ہے۔ یوں تو مرد و عورت کا مذہب ہر زمانہ میں اس لحاظ سے کہ اُن کے عقائد و شعائر کتب مذہبی کے زیر اثر مشترک رہے ہیں، ایک ہی رہا ہے۔ لیکن عمل کے لحاظ سے اور تفاوت کے اعتبار سے جو دو مختلف جنسوں میں پایا جاتا ہے مرد و عورت کا مذہب شعائر کے لحاظ سے بالکل یکساں نہیں رہا۔ اسلئے زمانۂ قدیم میں وحشی عورت کے خیالات عالم روحانیت کے متعلق معلوم کرنا غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کے لئے یہ خیالی دنیا بہت قریب تھی، اور وہ سمجھتی تھی کہ اس کا آسمان اسکے جھونپڑے یا پہاڑ کے متصل واقع ہے، اور وہاں عورتیں بھی عورتیں رہتی ہیں۔

اس خیال کے زیر اثر نہ صرف عورتوں نے بلکہ مردوں نے بھی اپنے اخلاق کو بہت کچھ درست کر لیا تھا، کیونکہ اس باب میں مردوں کے خیالات بھی عورتوں کے عقائد سے زیادہ مختلف نہ تھے یقیناً اس نوع کے خیالات مذہب کی صرف

ظاہری سطح سے متعلق تھے، اور حقیقت سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، لیکن یہ ضرور ہے کہ عورت مذہبی خیالات سے زیادہ متاثر ہوتی تھی، اور شعائر مذہبی بہ نسبت مرد کے زیادہ پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھی، چونکہ عورت جلد متاثر ہو جانے والی طبیعت لیکر پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس پر خیالات مذہبی کا فوراً موثر ہونا یقینی تھا، اور چونکہ شعائر وافعال انھیں خیالات کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں، اس لئے عورتوں کے اخلاق پر بھی اسکا اثر زیادہ قوی و مستحکم ہوتا تھا۔

زمانۂ قدیم میں مذہبی خیالات کے وسعت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عورت کے نزدیک ہر وہ چیز جو اس کے لئے نامعلوم تھی۔ ایک دیوی تھی، اور ہر وہ منظر جو اُس کے لئے ناقابل فہم تھا، خدا تھا۔ وہ چلتی تھی اور کہتی تھی کہ دیوتا اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ بات کرتی تھی اور یقین رکھتی تھی کہ دیویاں سن رہی ہیں۔ الغرض اس کے تمام افعال وحرکات میں مذہب کا ہمہ گیر خیال کام کرتا تھا، اور وہ اپنی ادنیٰ سی جنبش کو اُسی کے زیر اثر سمجھی تھی جب رفتہ رفتہ عقل میں پختگی آتی گئی، تجربات وسیع ہوتے گئے، اور سائنس نے اپنا قدم حقائق موجودات و معرفت اشیاء کی طرف بڑھایا، تو ایک ایک کر کے وہ تمام نامعلوم اشیاء جو پہلے دیویاں یا دیوتا سمجھی جاتی تھیں، محقق ہوتی گئیں، اور مذہب کی وقعت کم ہوتی گئی۔

گزشتہ صفحات میں صنعت و حرفت اور ادوات وآلات وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں عورت نے صنعت وحرفت و حیات منزلی کے متعلق کتنی اختراعات سے کام لیا۔ اور اس طرح صحیح معاشرت کو کیونکر

وسعت دی۔ لیکن یہ بیان نامکمل رہیگا اگر یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ عورت کا کوئی کام
اس خیال واعتقاد سے خالی نہ تھا کہ خدا یا دیوتا اُسے دیکھ رہا ہے یہاں تک
کہ وہ کپڑے بھی دھوتی تھی تو اس خیال کے زیر اثر اور اگر کھانا پکاتی تھی تو بھی اسی
اعتقاد کے ماتحت پھر یہ مذہبی خیال اسقدر حاوی تھا کہ وہ معمولی سے معمولی کام
کو شروع نہیں کرتی تھی تا وقتیکہ وہ اس کے متعلق پہلے کچھ مراسم ادا نہ کر لے
کیونکہ بصورت دیگر دیوتاؤں کی برہمی کا ڈر تھا۔ ساعت، شگون وغیرہ ہر بات
میں دیکھا جاتا تھا، اور یقین تھا کہ اگر کسی کام کی ابتدا کرنے میں تمام تمہیدی
مراسم مذہبی ادا نہ کئے گئے تو وہ کام کبھی انجام کو نہ پہونچے گا۔ زمانہ قدیم کی عورتوں
اور مردوں کے اعتقادات روحانی عالم کے متعلق منحصر تھے ان کے اس دنیا کے
علم پر یعنی جس طرح وہ اس دنیا کو دیکھتے تھے، اسی طرح وہ دوسری دنیا کو بھی سمجھتے
تھے، اور چونکہ اس دنیا کے متعلق بھی ان کی معلومات و تجربات بہت محدود تھے
اس لئے وہ عالم روحانیت کو بھی اسی ناقص طرح سے سمجھتے تھے۔ وہ آسمان کو
دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہاں بھی ویسی ہی آبادی ہے جیسی زمین پر اور وہاں
کے لوگ بھی رشتہ دار، خادم، گھر، کھیتیاں، وغیرہ رکھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی اعتقاد
تھا کہ اس دنیا کے آدمی وہاں کے لوگوں سے بعض معاملات و تعلقات جاری
رکھ سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ قسمت انسانی کا تعلق دونوں عالموں سے
یکساں ہے کیونکہ فنا ہونے کے بعد وہیں جانا ہے اور تمام اقوام کے علم الاصنام
میں اس عالم کے بالتفصیل حالات بیان کئے جاتے ہیں۔
ان کے مشاغل اور مراسم پرستش پر جو بعض امور مشتمل تھے مثلاً سال بھر کی تقسیم

مذہبی و مقدس لوگوں اور مقامات کی تفریق، مذہبی آدمیوں کے افعال و حرکات کی تخصیص، جیسے ریاضت، قربانی، دعا، روزہ وغیرہ۔ مذہبی زندگی میں بنیادی زندگی کی نقل کرنے اور بعض انسانوں کو موجودات عالم روحانی سے وابستہ سمجھنے سے بت پرستی و بت سازی کا رواج شروع ہوا جس کی تاریخ تاریخ انسانی سے کم وسیع نہیں ہے۔

قدیم تاریخی زمانہ کی دیویاں جو شہر کی تمام کی خیالی زندوں کو نمونہ کئے ہوئے تھیں، وہ زمانہ وحشت کے عورتوں کی جائز اولاد تھیں، جو اس عقیدہ کی بنا پر کہ عالم ارواح کو عالم آب و گل سے براہ راست تعلق حاصل ہے۔ دیویاں سمجھی جاتی تھیں۔ ان قدیم پجاریوں کے نزدیک تمام اجرام فلکی عورت تھے یا مرد تھے یعنی ان میں سے کسی کو مرد سمجھتے تھے، اور کسی کو عورت، جو تحقیق کے لئے ایک دلچسپ مسئلہ ہے۔ یہ یقینی ہے کہ وہ عالم ارواح کو بھی بالکل دنیا کی طرح سمجھتے تھے اور وہاں کے تمام کاروبار کا قیاس، یہاں کے کاروبار پر کرتے تھے، جس طرح دنیا میں مرد و عورت کے کاموں کی دو تقسیمیں صحرائی دستور کی تھیں، اسی طرح وہ آسمان میں بھی سمجھتے تھے کہ وہاں کے مرد شکار کیا کرتے ہیں، اور عورتیں گھر میں بیٹھ کر انتظام خانہ داری و ترقی صنعت و حرفت میں مصروف رہتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جن اجرام فلکی کو وہ محاربانہ حیثیت سے دیکھتے ہوں گے انہیں مرد خیال کرتے ہوں گے اور جن کو معاشرتی ترقی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوں گے انہیں عورت سمجھتے ہوں گے اور چونکہ معاشرتی پہلو زندگی کا بہت وسیع ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ دیویوں کی کثرت کا خیال ان میں پیدا ہوا ہوگا۔

اگر تم کسی قوم کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کے علم الاصنام کو دیکھو کیونکہ علم الاصنام حقیقتاً آئینہ ہے ان کی تاریخ حیات کا یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک قوم کی زندگی گذرتی تھی اسی طرح وہ آسمانی دیوتاؤں اور دیویوں کی زندگی کو سمجھتے تھے، پھر چونکہ کوئی حقیقی اور یقینی تفریق زمانۂ قدیم کے مرد و عورت کی خدمات میں قائم نہ تھی۔ اس لئے زمانۂ وحشت کی بعض دیویاں ایسی بھی دیکھی گئی ہیں جو مسلح ہیں اور بعض دیوتا ایسے جو انتظام خانہ داری وغیرہ میں مصروف ہیں۔ لیکن عام طور سے یہی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ آسمانی دیویاں دونوں عالم کی کاروباری زندگی کی سرپرست ہیں۔ مسٹر لینگ کہتے ہیں کہ

"مہذب اقوام کے علم الاصنام میں جو باتیں خلاف عقل پائی جاتی ہیں وہ حقیقتاً وہی ہیں جو زمانۂ قدیم کے علم الاصنام سے انھیں حاصل ہوئی ہیں اور اُس عہد میں وہ تمام باتیں عین عقل کے مطابق سمجھی جاتی تھیں۔

بہر حال زمانۂ وحشت کا مذہب بالکل انعکاس تھا روز کی زندگی کا اور جو فرائض مرد و عورت کے اس دُنیا میں تھے، وہی عالم ارواح کے دیوتاؤں اور دیویوں سے منسوب کئے جاتے تھے اور اسلئے ظاہر ہے کہ عورتوں اور اُنکے کاموں کو دیویوں سے منسوب کر کے اگلی مخلوق نے صنف لطیف کے کارناموں کو کس طرح غیر فانی بنادیا۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ عالم روحانیت کے متعلق مخصوص عورت کے خیالات و اعتقادات مرد سے قطع نظر کر کے کیا تھے۔ اس کے متعلق جب غور کیا جاتا ہے

تو معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی دیویوں کی جو صورتیں زمانۂ قدیم کے مردوں نے بنائی تھیں، وہ دنیا کی عورتوں کے مماثل ہوتی تھیں اور عورتیں جو صورتیں ترتیب دیتی تھیں اُن میں خود ان کی قوتِ متخیلہ منعکس ہو کر بہت کام کرتی تھیں اور اسلئے علم الاصنام کے اختراع میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس کا حسین و دلکش پہلو صرف عورت کی وجہ سے قائم ہوا کیونکہ نہ صرف اس کی صورتوں سے دیویوں کی صورتیں اخذ کرکے علم الاصنام میں دلکشی پیدا کی گئی، بلکہ خود عورت نے اپنی اختراعات صورت گری سے اس میں بہت ترقی پیدا کی اور بہت سے افسانے اپنی منزلی زندگی اور معاشری مشاغل کے جن کا تعلق کھیتوں، باغوں، چشموں، دریاؤں اور نہروں کے ذریعہ دیویوں سے منسوب کرکے علم الاصنام کو نہ صرف اپنے طریق سے مالا مال کر دیا، بلکہ اس میں وہ شگفتگی و دلکشی پیدا کر دی جو اُن کے مذہب کی حقیقی روح سمجھی جا سکتی ہے۔ پھر عورتوں نے یہی نہیں کیا کہ انھوں نے علم الاصنام کے بہت سے افسانے تصنیف کئے بلکہ اس کی اشاعت بھی اُنہی کی ذات سے ہوئی، اور وہ اس طرح کہ غلامی اور مال غنیمت ہونے کی حیثیت سے وہ مختلف ممالک میں ادھر سے اُدھر منتقل ہوتی رہیں اور جہاں جہاں گئیں اپنے مذہبی اعتقادات کو ساتھ لے گئیں، اور یہ اعتقادات اپنا [illegible] چھوڑنے پر [illegible] علم الاصنام [illegible]، اسی طرح جو معتقدات پہلے سے افسانے بن چکے تھے اور سمجھے جاتے تھے ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہونے لگے، اور اس سے اس نظریہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ علم الاصنام کی حقیقت تمام اقوام میں مشترک [illegible]۔

بعض مشاغل جیسے برتن بنانا، بُننا، تربیتِ اطفال وغیرہ تمام اقوامِ عالم کی عورتوں میں مشترک پائے جاتے ہیں، اس لئے کسی قوم کے علم الاصنام کو ان مشاغل کے متعلق افسانوں سے خالی نہ پاؤ گے، اور ایسا ہونا چاہیئے کیونکہ عورت جن مشاغل میں منہمک رہتی تھی انھیں کے رات دن وہ خواب دیکھتی تھی اور نہ صرف زمین بلکہ آسمانی دنیا کو بھی وہ انھیں مشاغل سے آباد پاتی تھی، پھر جب اس کی ذہانت نے انسانی حالات کو مذہبی رنگ دینا چاہا، تو ظاہر ہے کہ اُسنے اپنے مشاغل پر سب سے پہلے توجہ کی ہوگی اور مذہبی عنصر نہایت قوت کے ساتھ اُن میں پیدا کیا ہوگا۔

ابھی ابھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مختلف ممالک میں ان مذہبی معتقدات کی اشاعت میں عورت نے بہت بڑا حصہ لیا کیونکہ وہ غلامی میں ادھر سے اُدھر منتقل ہوتی تھی، اور بطور مالِ غنیمت ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہونچتی تھی لیکن جپسی (خانہ بدوش) قوموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانۂ قدیم سے سیر و سیاحت کے عادی ہیں اور مسٹر لی لینڈ (Leland) کی تحقیق ہے کہ روئے زمین کے تمام اقوام سے زیادہ جپسی قوموں نے اشاعت علم الاصنام میں مدد کی۔ چنانچہ آج بھی، دعا، تعویذ، گنڈا، پیشین گوئی وغیرہ بطور پیشہ کے ان میں رائج ہے، ان میں زمانۂ قدیم سے اک ایسی خاص دماغی قوت پائی جاتی ہے کہ اس کے استعمال سے وہ لوگوں کے خیالات امیال و عواطف معلوم کرنے میں بہت مشاق ہوگئی ہیں، اور بسا اوقات ان کی پیشین گوئی سے جو صحیح بھی ہوتی ہے سخت حیرت ہوتی ہے۔ بہرحال اشاعت مذہب میں زمانۂ قدیم کی عورت نے

بہت مدت کی اور اب بھی وحشی اقوام کی عورتیں اپنے مذہبی مراسم سے بہ نسبت مردوں کے نہ صرف زیادہ واقف ہیں، بلکہ اکثر و بیشتر مراسم مذہبی انھیں سے متعلق ہیں، اور مرد ان میں بہت کم حصہ لیتا ہے۔

قریب قریب تمام اقوام عالم میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد عورتیں ہی مردہ کے چاروں طرف جمع رہتی ہیں اور جس طرح بچہ پیدا ہونے کے وقت عورت ہی انسانی روح کا خیر مقدم کرتی ہے، اسی طرح موت کے وقت اس کو خیرباد بھی کہتی ہے۔ مردہ کے چاروں طرف عورتوں کا اجتماع بہت زمانۂ قدیم سے رائج چلا آتا ہے اور اب بھی وحشی اقوام میں مختلف مراسم جن کا تعلق مردہ کے جسم سے ہوتا ہے، عورت ہی انجام دیتی ہے۔ قبر کے پاس بیٹھکر آگ جلانا، گریہ۔ وتشنہ روحوں کے لئے کھانا اور پانی لانا، اپنے بالوں کو قطع کرا دینا۔ بدن کو زخمی کرنا تاکہ خراب وجین گھبرا کر چلی جائیں اور بہت سے مراسم صرف عورت ہی کے سپرد ہیں۔

بردل سیو (Brule Sioux) میں مردہ کو قیمتی کپڑوں میں ملفوف کرنا آرگھی بناکر مردہ کو اسپر لٹانا عورت ہی کے ذمہ ہے۔ امریکہ کے وحشی اقوام میں جب کوئی مرجاتا ہے تو اعزا و احباب جمع ہوتے ہیں اور سخت ماتم کیا جاتا ہے۔ یہ نوحہ ماتم کرنا زیادہ تر عورت ہی کا کام ہوتا ہے، اور بعض اوقات انتہائی الم کے اظہار میں تیھر کے نوکدار ٹکڑوں سے اپنے جسم کو جا بجا زخمی کر لیتیں ہیں اور پھر اسکے بعد مرنے والے کے اعزا کے پاس رہ کر دس دن تک عورتوں کو مختلف مراسم ادا کرنے پڑتے ہیں، مثلاً بہت سویرے بیدار رہکر دن بھر سخت محنت کرنا، بہت

کم غذا کھانا، جلد سو جانا، لہو ولعب تفریح کے مشاغل سے احتراز کرنا، آرائش ترک کر دینا، دس دن تک مسلسل کسی پہاڑی کی چوٹی پر جا کر مردہ کا ماتم کرنا۔ قبروں کے پاس آگ روشن کرنے کا رواج بہت قدیم ہے اور یہ خدمت بھی عورت ہی کے سپرد ہوتی تھی، جو رات رات بھر صحرا میں تنہا بیٹھی ہوئی آگ کو روشن رکھتی تھی۔[1]

کلیفورنیا کی اقوام میں جب کوئی بچہ مر جاتا ہے تو ماں ایک سال تک روزانہ اس جگہ جاتی ہے جہاں بچہ کھیلا کرتا تھا یا جہاں اس کا جسم جلایا گیا ہے، اور وہاں اپنا دودھ نکال نکال کر چاروں طرف چھڑکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ چیخ چیخ کر ماتم کرتی ہے۔ اپنے بچہ سے واپسی کی درخواست کرتی ہے کبھی کبھی نہایت غم آلود گانا گاتی ہے اور نہایت وحشیانہ رقص بھی کرتی ہے۔[2]

زونی عورت کے متعلق مسٹر فرینک کشنگ (Frank Cushing) بیان کرتے ہیں کہ وہ مردہ کا سر دھوتی ہے اور پھر پانی کا گھڑا توڑ کر پانی بہا دیتی ہے

پالی نیشیا (Polynesia) کی عورتیں مردہ پر سخت ماتم کرتی تھیں، اپنے بالوں کو نوچتی تھیں، کپڑے پھاڑ ڈالتی تھیں اور اپنے بدن کو بری طرح زخمی کر دیتی تھیں شارک مچھلی کے تین چار دانت بید کے ایک ٹکڑے میں باندھ دیے جاتے تھے اور اس سے جلد میں شگاف دے دے کر خون نکالتی تھیں، اور ہر عورت کو یہ اوزار بھی اسی غرض کے لئے جہیز میں دیا جاتا تھا۔ انڈمان کی عورت بچہ کی موت پر

استدراک

[1] Yarrow, First An: report

[2] Powers, Cont. to Ethnol

اپنا سر، گردن، کلائیاں وغیرہ رنگتی ہے، سر منڈوا ڈالتی ہے اور وہ بچہ کے گھٹنوں کو تھوڑی سے ملا کر ہتھیلیوں کو شانہ کے پاس لے جا کر سمیٹ دیتی ہے اور پھر اُسے بڑی بڑی پٹیوں میں لپیٹ کر چاروں طرف کس دیتی ہے۔ باپ قبر کھودتا ہے اور بچہ کو دفن کر دیتے ہیں۔ کچھ زمانہ کے بعد قبر کھود کر ہڈیاں نکال لی جاتی ہیں۔ ماں جمجمہ کو رنگ کر ایک ڈوڑ کے ذریعہ سے اپنی گردن میں لٹکا لیتی ہے اور دوسرے ہڈیوں کے بہت سے ہار گوندھ کر اعزا اور احباب میں تقسیم کئے جاتے ہیں[۱]۔ جب کوئی جوان آدمی مرجاتا ہے تو عورتیں ہی تمام مراسم ماتم وغیرہ ادا کرتی ہیں۔ مرد صرف قبر کھودتا ہے[۲]

عورتوں کو مردہ شوہروں کے ساتھ ہلاک کر ڈالنے کا رواج بہت ممالک میں پایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں عورت کے ستی ہو جانے کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں،

موت کے متعلق عورت کے تمام مراسم پر جس وقت غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام مراسم عورت کے انھیں مشاغل سے متعلق ہیں، جو اُس کیلئے حیات منزلی کے سلسلہ میں مخصوص ہیں اور اسلئے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی بنیاد بھی زمانۂ قدیم میں ضروری مشاغل حیات پر قائم ہوئی اور چونکہ عورت کے مشاغل اس باب میں زائد و کثیر تھے، اسلئے عورت کا حصہ وجود و اشاعت مذہب میں قدرتی طور سے زیادہ ہونا چاہئے تھا

---

[۱] Ellis. Polynes Researches

[۲] J. Anthrop Inst. London

مذاہب عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کسی قوم میں عورت کو مذہبی فرمانروا یا پیشوا ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔ ہر چند زمانہ وحشت میں بھی عورت کا مذہبی رہنما ہونا کہیں نہیں پایا جاتا، لیکن ان کی مذہبی سیادت کسی نہ نہ کسی حد تک ضرور تسلیم کی جاتی تھی۔ اگر وہاں کوئی ساحر ہوتا تھا تو ساحرہ بھی پائی جاتی تھی، بلکہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں اس مسئلہ میں زیادہ خطرناک سمجھی جاتی تھیں، کیونکہ وہ زیادہ بولنے والی اور اچھا کھانا پکانے والی تھیں اس لئے خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ارواح خبیثہ کو اپنے منتر ول اور غذاؤں سے اچھی طرح مالوف کر سکتی ہیں۔

زمانۂ قدیم میں جب باہم اقوام میں جنگ ہوتی تھی تو عورتیں بھی ساتھ ساتھ جاتی تھیں، اور ان کے ساتھ ایک ضعیف عورت بھی ہوتی تھی، جو بہ حیثیت ساحرہ ہونے کی جنگ کی مختلف تدابیر بتاتی تھی، اس کا ملبوس سفید ہوتا تھا کمر میں پیٹی ہوتی تھی اور پاؤں برہنہ۔ اس کے حکم سے قیدی ذبح کئے جاتے تھے، اور وہ خون کی روانی کو دیکھ کر جنگ کے متعلق پیشین گوئی کرتی تھی۔[1] جب سیزر نے اپنے قیدیوں سے دریافت کیا کہ اریووسٹس[2] نے کیوں مقابلہ نہیں کیا تو انھوں نے کہا کہ ساحرہ عورتوں نے (جو جرمن اقوام کے ساتھ ساتھ جنگ کے موقع پر پیشین گوئیاں کرتی تھیں) کہہ دیا تھا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے قبل طلوع ہلال اگر جنگ کی جائیگی تو شکست ہوگی۔[3]

۱؎ Woman's share in pr: cult. ۲؎ (Ariovistus)

۳؎ Caesar Bell. Gall

زمانۂ قدیم میں مذہبی علاج کرنے والے بھی تھے اور اس فن میں عورتیں بہت مشاق تھیں، شمالی کلیفورنیا میں شاستا (Shasta) قوم کی عورتیں خصوصیت کے ساتھ اس فن میں مشہور تھیں اس علاج کے لئے ایک مخصوص مکان ہوتا تھا، جہاں ناواقف مردوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ عام طریقہ یہی تھا کہ عورتیں مرد کے بیمار حصّہ کو چوستی تھیں، یہاں تک کہ خون نکل آتا تھا۔ تشخیص مرض کے لئے وہ بیمار کے پاس بیٹھ کر دیر تک کتے کی طرح بھونکتی تھی۔ یہاں تک کہ عالم روحانی سے اس کو القاء ہوتا تھا اور وہ جان لیتی تھی کہ کیا مرض ہے[1]

گبس (Gibbs) نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "ایک بیمار کے گرد چار جوان عورتیں کھڑی ہوئیں اور پھر چار ضعیف عورتیں آئیں، اور سب نے مل کر اسکے پاس طرح طرح کی حرکتیں شروع کیں، منہ چڑھانا، بدن کو توڑنا مروڑنا، یہاں تک کہ وہ تھک گئیں، اور پھر بیٹھ کر مریض کے جسم کو چوسنا شروع کیا۔ جب مریض کے سارے جسم پر آبلے پیدا ہو گئے تو اُن کو ہاتھوں اور پاؤں سے توڑنا، ملنا، رگڑنا شروع کیا، اور اُس میں اس قدر محنت کی کہ وہ بالکل خستہ ہو گئیں۔ اسکے بعد وہ گر پڑیں گویا بیہوش ہو گئی ہیں، اور اس طرح علاج ختم کیا گیا۔"[2]

مسز پارکر (Parker) ایک قصہ بیان کرتی ہیں، کہ ایک عورت اُنکے یہاں ٹھہری ہوئی تھی کہ دفعتہً بیمار ہو گئی محض تفریح کے لئے وہاں کی ایک ضعیف عورت جو سحر اور ٹوٹکے کے ذریعہ سے علاج کرنے میں بہت شہرت

---

[1] Bancroft, Native Races

[2] Bancroft, Native Races.

رکھی تھی، بلائی گئی۔ اسنے بہت سے مراسم ادا کرنے کے بعد کہا کہ اُسنے
کسی منگاہ درخت کے نیچے غسل کیا ہے۔ چونکہ اس درخت پر دیویاں رہتی
ہیں، اسلئے اُنھوں نے اس کے جگر اور پشت پر اپنے ڈنک چبھو دیئے
ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ واقعی وہ اس درخت کے نیچے نہائی تھی اور
نہانے کے بعد ہی پشت پر آماس معلوم ہوا تھا۔ اس کے بعد اسی ضعیفہ نے
جھاڑ پھونک کی اور مریضہ بالکل اچھی ہوگئی۔ آسٹریلیا میں بھی عورتیں کسی وقت
ایک دوسرے کو ہلاک کر ڈالنے، محبت میں مبتلا کر دینے یا پانی برسانے
کے لئے اعمال سحر میں بہت شہرت رکھتی تھیں۔

ہوپا عورتیں زمانۂ قدیم میں ذریعۂ مراسم مذہبی علاج کرنے میں بہت مشاق
تھیں۔ اب جدید تہذیب نے رفتہ رفتہ ان قدیم روایات و مراسم کو مٹا دیا ہے
لیکن اب بھی وہاں چند ضعیف عورتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو کہنہ امراض کا
علاج اپنی مذہبی قوت سے کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں۔ اسی طرح جزیرہ
بورنیو (Borneo) کی عورتیں افسوں کے ذریعہ سے علاج کرنے میں بہت
مشاق تھیں۔ اور جنوبی امریکہ میں کسی وقت وحشی عورتیں عام طور سے مذہبی
نغمہ و رقص کے ذریعہ سے علاج کیا کرتی تھیں[1]

یہاں تک تو ذکر تھا طبقۂ نسواں کے اُن اعمال و حرکات کا جو معاون
ہوئے مذہب اور مذہبی خیال کی اشاعت میں، لیکن ایک دوسرا پہلو اور
بھی ہے اور وہ یہ کہ آسمانی دنیا میں جو عورتوں کی آبادی فرض کی گئی تھی، وہ

---

[1] Women of all Nations

کیسی اور کیا تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ اعتقادات مذہبی کا ارتقاء بھی فنون کی طرح ہوا ہے۔ انسانی ضروریات کے ساتھ صناعات اور صناعات کے ساتھ مذہبی اعتقادات نے جس طرح تدریجی ترقی حاصل کی ہے اسکا ذکر ضمناً اوراق گزشتہ میں ہو چکا ہے، کہ فرائض زندگی پر لحاظ کرکے آسمانی دیوتاؤں اور دیویوں کی تقسیم کس طرح کی گئی تھی اور اُن سے انسانی صناعات کا کیا تعلق تھا اب ہم ذرا وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کرینگے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم کی ادنیٰ ترین اقوام میں بھی واقعات عشق و محبت پائے جاتے تھے، اور حسن کے نقطۂ نظر سے شعر و موسیقی وغیرہ کا جو تعلق ہے وہ بھی نظر انداز نہ کیا جاتا تھا، اسلئے دنیا کی کوئی بُت پرست قوم ایسی نہ ہوگی، جس میں جذبۂ محبت کو ایک دیوی سے منسوب نہ کیا گیا ہو۔ روم میں وینس کو، یونان میں افراڈوائٹ Aphrodite کے فنوشیا میں ایسٹارٹ (Astarte) کو اسیریا میں اشٹار (Istar) کو مصر میں ہاتھر (Hathor) بتوں کو جو وقعت حاصل تھی، وہی عزت و عظمت امریکہ اور افریقہ کی وحشی اقوام اپنی دیویوں اور دیوتاؤں کی کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ محبت کا تعلق کسی جگہ عورت سے سمجھ کر اس کی دیوی سے منسوب کیا گیا، اور کہیں مرد سے وابستہ جان کر دیوتا سے تعبیر کیا گیا، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس جذبہ کا اثر عام تھا۔ اور ہر ملک و قوم میں حسن و محبت کے جذبات کو بتوں کی صورت میں غیر فانی بنانے کی کوشش کی گئی۔ علاوہ ان کے اور بھی بہت سے اہم دیوتا یونان و روما میں پائے جاتے تھے، جو عناصر عالم پر حکمراں فرض

کیے گئے تھے۔ یونان کا ڈمیٹر (Demeter) جس کو لاطینی میں سرس
(Ceres) کہتے ہیں، پوسی ڈن (Poseidon) جسے لاطینی میں نیپٹون
(Neptune) سے تعبیر کرتے ہیں، اپالو (Apollo) اور مائنروا
(Minerva) وغیرہ بڑے زبردست دیوتا تھے۔ ان میں سے دو دیویاں
تھیں، ایک ملکۂ زمین، دوسری ملکۂ آسمان۔ ڈی میٹر جس کے معنی ماں کے
ہیں، زمین کی ملکہ سمجھی جاتی تھی، اور تمام وحشی اس دیوی کو اپنی ماں سمجھتے تھے
چونکہ یہ دیوی زمین سے منسوب تھی، اسلئے زمین کے برکات کو دیکھتے ہوئے
اُسے ماں کہا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کا عقیدہ تھا کہ زمین بالکل مثل آدمیوں کے
جان رکھتی ہے۔ جو اپنے بچوں یا انسانوں کے لئے غذائیں اور تمام ضروریات
کی چیزیں مہیا کرتی ہے۔[1]

زونی قوم کا عقیدہ تھا کہ زمین سب کی ماں ہے جسطرح ماں دودھ پلاتی
ہے اُسی طرح زمین انسانوں کے لئے پانی مہیا کر دیتی ہے اور صحرائی پیداوار
جو حقیقتاً جسم زمین کا گوشت ہے، غذا کا کام دیتا ہے۔ اس قوم میں اگر لڑکی کی
ولادت مطلوب ہوتی تھی، تو قبل ولادت کے میاں بیوی ایک چٹان کے
پاس جاکر دعائیں اور التجائیں کرتے تھے کہ

"اے زمین، سب کی ماں، سورج سب کے باپ سے
سفارش کر، کہ وہ ہمیں لڑکی دے، اور یہ لڑکی جوان ہو کر
اچھی عورت بنے اور اس میں اچھا کپڑا بننے، اور عمدہ برتن

F. H. Cushing [1]

بنانے کا سلیقہ ہو۔"[1]

گیٹشٹ (Gatschet) لکھتا ہے کہ "جب ٹکمسیہ (Tecumseh) نے جنرل ہیریسن General Harrison سے گفتگو ختم کی تو اس کے بیٹھنے کے لئے کرسی دی گئی، تو اُس نے کہا کہ "سورج میرا باپ ہے اور زمین میری ماں مجھے اسی کی آغوش پسند ہے" یہ کہا اور زمین پر بیٹھ گیا۔

اماہا کے لوگ غلّہ کی پرستش بحیثیت ماں ہونے کے اب بھی کرتے ہیں اور اسی طرح پیرو ویا (peruvia) کی قومیں پچ ماما یعنی مادر زمین کی پرستش کرتی ہیں۔

کلاماتھ (Klamath) کے وحشی کہتے ہیں کہ زمین کی ماں اپنے بچوں یعنی انسانوں کو غلّہ اور پھل وغیرہ کی صورت میں بڑے بڑے انعام دیا کرتی ہے جھیلیں اُس کی آنکھیں ہیں اور پہاڑیاں اُس کا سینہ جن سے نہروں اور دریاؤں کی صورت دودھ جاری رہتا ہے۔[2]

قدیم مصریوں کے عقائد اس کے برعکس تھے۔ وہ سب (sib) یعنی زمین کو باپ اور نٹ (Nut) یعنی آسمان کو ماں کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان دونوں سے اوسارس (Osiris) اور آیسی (Isis) پیدا ہوئے اور ان کی مواصلت سے ہورس (Horus) یعنی آفتاب جلوہ گر ہوا۔[3]

اسٹارک[1] Gatschet, The Klamath Indians

[2] Gatschet, The Klamath Indians

[3] Renouf, Religion of Ancient Egyptians

اگر تاریخ طبعی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو دنیا کے ہر ملک میں کوئی نہ کوئی درخت ایسا پایا جائیگا جو وہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے، اور وہی درخت ملک والوں کی پرورش کرتا ہے۔ وحشی اقوام میں ہمیشہ ایسے درخت کو نہایت عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ اور خیال کرتے تھے کہ اس درخت کو آسمانی دنیا کی کسی عورت نے دنیا والوں کی پرورش کے لئے پیدا کیا ہے، اور اسطرح اس درخت کی رفتہ رفتہ پرستش ہونے لگتی تھی۔ ہندوؤں میں جب سیتا جی کے احسانات کا ذکر کرتے ہیں تو کسی عورت یا لڑکی کو جو سنہرے رنگ کی حسین ہوتی ہے غلّہ کی زرد زرد بالیوں کا تاج بنا کر پہناتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقتاً پرستش غلّہ اور کھیتی کی کیجاتی ہے اور سیتا جی کو کھیت جوتنے کی دیوی سمجھا جاتا ہے۔ سیتا کے معنی ہیں اس لکیر کے جو زمین پر ہل چلانے سے پیدا ہو جاتی ہے[1]

جوار ایسا غلّہ ہے جو اکثر ممالک میں پایا جاتا تھا۔ بعض قوموں میں اب بھی اس کو ایک دیوی کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

کناڈی کے وحشی اقوام میں جو کوئٹو (Quito) کے جنوب میں ہوا کاپنن (Huacapnan) پہاڑ پر آباد تھیں، یہ روایت بیان کی جاتی تھی کہ جب دنیا میں سب سے بڑا طوفان آیا تو دو بھائی اس پہاڑ پر بچ کر چلے آئے جب طوفان کا زور کم ہوا تو وہ زمین پر آ گئے اور کچھ کھانے کی فکر کرنے لگے۔ لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی اتفاق سے دو طوطے اُن کے جھونپڑے میں آ گئے اور انھوں نے

استدراک

[1] Tylor J. Anthrop Inst

جوار کی غذا اُن کے لئے تیار کی، اُن کو جب بکرا تو ان میں سے ایک عورت ہو گئی اور اُسنے جوار کا بیج اُن کو دیا اور کھیتی کرنا سکھایا۔[1] یہاں کے وحشی اپنے تئیں اسی عورت کی نسل سے بتاتے تھے، اور اسی لئے طوطے کی بڑی عزت کرتے تھے

مصر قدیم کے علم الاصنام میں سخت SeKhet دیوی را (Ra) کی بیٹی کا جو مجسمہ تیار کیا جاتا تھا، اسکا سر بلّی کا ہوتا تھا، اس دیوی کی نسبت عقیدہ تھا کہ وہ نوع انسان کی محافظ اور دشمن انسان کو ہلاک کر دینے والی ہو۔ چونکہ زمانۂ قدیم میں عورت ہی غلہ کی محافظ، خرمن کی جمع کرنیوالی تھی، اور اسی نے بلّی پال کر حفاظت خرمن کا کام اُس سے لیا تھا، اسلئے اس مجسمہ کے سر کو بلّی قرار دیا گیا۔ اور اس طرح عورت کی اس ذہانت و اختراع کو خلعت دوام بخشدی۔

یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ آتشکدہ میں تمام دیوتاؤں کی روحیں جمع ہوتی ہیں چنانچہ شہر میں ایک بڑا آتشکدہ بنایا جاتا تھا جو شب و روز ہر وقت روشن رہتا تھا آتشکدہ کی دیوی ہستیا (Hestia) تھی۔[2]

اٹلی میں بھی یہی رواج تھا لیکن وہاں اس کا نام وسٹا (Vesta) تھا پروفیسر فریزر (Frazer) کی تحقیق ہے کہ آتشکدہ کے وجود اور اس میں ہر وقت آگ کے مشتعل رہنے کا تعلق زمانۂ قدیم کی اس رسم سے ہے کہ سردار کے خیمے یا جھونپڑے میں اکثر و بیشتر آگ پائی جاتی تھی۔ اور اس کے چاروں طرف عورتیں اپنے مشاغل میں مصروف رہتی تھیں۔ چونکہ آگ ایک بڑی نعمت تھی اور

---

[1] Payne, Hist: of America استدراک

[2] J. G. Frazer

عورتوں کے انتظامِ خانہ داری کا زیادہ تر تعلق اُسی سے تھا۔ اس لئے آتشکدہ بھی ایک دیوی ہی سے منسوب کیا گیا، دیوی اسلئے کہ عورت ہی آگ کو قایم رکھتی تھی اور وہی اس سے کام لیتی تھی۔ آگ سے کھانا پکانا آگ کی مدد سے کھانے کو کئی دن تک خراب نہ ہونے دینا، کپڑوں کو خشک کرنا، جاڑے کی تکالیف کو دُور کرنا، کشتیاں بنانا، برتن پکانا، اور بہت سے مشاغل عورت ہی سے متعلق تھے اور مردان میں کوئی حصّہ لیتا تھا۔

جنوبی افریقہ میں، ڈمارا قوم کے اندر سردار کے جھونپڑے کے پاس ہر وقت آگ قایم رکھنے کا رواج اب بھی پایا جاتا ہے۔ جب کسی قبیلہ کا سردار کسی دُور دراز مقام پر جاتا ہے تو اس متبرک آگ میں سے ایک انگارا اسکو دیدیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے لئے وطن یا گاؤں میں اس سے ایک آتشکدہ قایم کرسکے[1]"

روس کے طبقۂ مزارعین میں بھی یہی رواج ہے۔ جب وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں تو الاؤ یا چولھے کی ساری آگ کسی برتن میں رکھکر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نئی جگہ پہونچکر اسکو زمین پر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"میں نئے گھر میں تیرا خیر مقدم کرتا ہوں اے میرے جد"[2]

قدیم یونانیوں اور روما والوں میں بھی یہی رواج پایا جاتا تھا۔ چونکہ آگ سے عورت کا تعلق بہت زیادہ تھا اسلئے اُسے دیوی سمجھ کر پرستش کی گئی۔ اور اس کے

---

[1] Frazer, J. of Philol

[2] Frazer

کار آمد ہونے کے لحاظ سے ادہر ادہر منتقل کرتے رہے۔ آگ کے بعد جس چیز کا تعلق عورت سے تھا وہ پانی ہے اسلئے قریب قریب تمام اقوام میں پانی کو بھی دیوی سے منسوب کیا گیا ہے میتھوز (Matthews) نے بیان کیا ہے کہ نواجو کا ایک خاندان جس میں باپ، ماں، دو لڑکے اور لڑکیاں تھیں ایک ایسی جگہ آباد ہونے کے لئے پہونچا، جہاں پانی نہ تھا۔ اتفاق سے ایک لڑکے کو جبکہ وہ زمین کھودتا تھا، پانی کے ایک چشمہ کا پتہ چل گیا۔ چونکہ پانی لانے کی خدمت عورت ہی کے سپرد ہے اور صرف ایک ہی برتن پانی لانے کے لئے موجود تھا اسلئے عورت نے اصرار کیا کہ چشمہ کے پاس چل کر قیام کرنا چاہئے۔ لیکن مردوں نے کہا کہ وہاں تعمیر مکان کے لئے اشیاء قریب دستیاب نہونگی اسلئے یہیں رہنا چاہئے لیکن آخرکار عورت کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا اور سارے خاندان کو پانی کے چشمہ کے پاس آباد ہونا پڑا۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ پانی کے مسئلہ میں ایک عورت کو کسقدر دیوی کا سا اقتدار حاصل تھا، اور پانی کیوں ایک عورت سے منسوب کیا جاتا تھا۔

آسٹریلیا کے وحشی اقوام کا عقیدہ ہے کہ آفتاب ایک عورت ہے جو آگ لئے ہوئے ہے جب وہ اس آگ پر بہت سا ایندھن رکھدیتی ہے تو شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اور زمین پر گرمی ہوجاتی ہے۔ غروب آفتاب کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ شام کو سورج کی دیوی ایک ضعیف عورت کی آغوش میں چلی جاتی ہے اور وہاں سو جاتی ہے۔

یونانیوں میں دیویاں کثرت سے پائی جاتی تھیں مثلاً کلوتھو (Clotho)

جس کی نسبت ان کا عقیدہ تھا کہ رشتۂ حیات کاتتی ہے، لاکیس (La chesis)
جو اس کے طول کو متعین کرتی ہے، ایٹروپوز (Atropos) جو اس رشتہ
کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے، ارکنی (Arachne) جو نہایت باریک
سوت کاتتی تھی۔ اس سے ثابت ہے کہ زمانہ قدیم میں بہ لحاظ ترقی فنون عورت
کا درجہ اس قدر رفیع تھا کہ اس کی ہر صنعت ایک دیوی کی صورت میں ظاہر
کی جاتی تھی۔ چین میں ریشم کی صنعت بہت زمانہ قدیم سے رائج چلی آتی ہے اور یہ بھی
متحقق ہے کہ عورت ہی اسمیں بہت بڑا حصّہ لیتی تھی۔ پیکنگ میں قصر شاہی کے قریب
چالیس فیٹ کے دور میں ایک قربان گاہ بنی ہوئی ہے جو چاروں طرف دیوار سے
محصور ہے۔ یہیں ایک معبد ٹسن ٹسان ٹاؤ (Tsen-tsan-tao) کا ہے
اسکے قریب بہت سے شہتوت کے درخت لگائے گئے ہیں جہاں ریشم
کے کیڑے کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ معبد یونفسی (Yuenfsi) یعنی
اس عورت کے نام سے موسوم ہے جس نے سب سے پہلے ریشم کے کپڑوں
کو دریافت کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونفسی، سلنگ شی (SI-ling-shi)
کا دوسرا نام ہے۔ جو ہوانگٹی (Huang-ti) کی بیوی تھی۔ اس معبد پر اب
بھی ہر سال قصر شاہی کی عورتیں قربانیاں چڑھاتی ہیں اور مراسم پرستش نہایت
خلوص سے ادا کرتی ہیں اس دیوی کے اور بھی بہت سے معابد مختلف حصص ملک میں پائے جاتے ہیں[1]
غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الاصنام حقیقتاً ایک زبان استعارہ و تشبیہ
ہے، جس کے ذریعہ سے مختلف فنون و مختلف اشیاء کی حالت کو بیان کیا گیا ہے

---

[1] La couperia "Silk Goddess of china"

جیسے میگنیکو میں ایک پتھر کو ٹالاکٹل کہتے ہیں جس کے معنے چرخہ کا پتھر چونکہ اس کی صورت چرخہ کے پنکھے یا دائرہ کی طرح ہوتی ہے اسلئے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ بالکل اسی طرح زمانہ قدیم کے علم الاصنام میں کوئی نہ کوئی وجہ شبہ قرار دے کر، موجودات عالم میں بہت سی چیزوں کو عورت سے تشبیہ دیدی گئی۔ چونکہ عورت رات دن آگ سے کام لیا کرتی تھی اسلئے آفتاب کی حرارت کو وجہ شبہ قرار دے کر اُسے عورت کہہ دیا گیا۔ چونکہ پانی مہیا کرنا بھی عورت ہی کا کام تھا اسلئے بادلوں کو کہ وہ بھی پانی مہیا کرتے ہیں، عورت سمجھا گیا۔ اسی طرح چونکہ عورت کی زندگی ہر وقت متحرک تھی اور وہ کسی وقت آرام و سکون سے نہ بیٹھتی تھی، اس لئے ہوا کو بھی جو ایک بے چین عنصر ہے عورت قرار دیکر دیوی کہہ دیا گیا۔

یونانیوں میں ایک دیوی تھی، جس کا نام منروا تھا۔ یہ تمام فنون اختراعات کی دیوی تھی۔ چونکہ زمانہ قدیم میں فنون و اختراعات صرف عورت کی ذات تک قائم تھے۔ اسلئے اُس ذہانت و فراست کو جو ترقی فنون کی باعث ہوئی، عورت ہی سمجھ لیا گیا، اور اُسے دیوی سے تعبیر کرنے لگے۔ چونکہ عورت ہی نے پہلے جانوروں کو پالنا شروع کیا اور اسی نے کاتنا، بننا اختراع کیا۔ اسلئے گھوڑوں کی پرورش کرنے اور کاتنے بننے کی اہلیت کو بھی اتھنا (Athema) دیوی قرار دیا گیا۔ یونان میں اس دیوی کا ایک بڑا مندر ہے۔ جہاں کسی زمانہ میں عورتیں سال میں نو ماہ تک سوت تیار کر کر کے کپڑے بنتی تھیں جو پہلے مندر میں دیوی کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور پھر اس کپڑے کے

بادبان تیار کئے جاتے تھے قدیم مصریوں میں ایک دیوی نیتھ (Neith) تھی اور یہ اس سے پہلی عورت کی یادگار میں قائم کی گئی تھی، جس نے بننے کے فن کو ایجاد کیا۔ اس دیوی کے معبد میں کپڑا تیار کرنے کے بڑے بڑے کارخانہ تھے جہاں عورتیں کام کیا کرتی تھیں۔ یہاں کے کپڑے خاص خاص مذہبی مراسم ادا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اور مومیائی شدہ لاشیں انھیں میں لپیٹی جاتی تھیں۔ الغرض زمانۂ قدیم میں کثرت سے دیویاں پائی جاتی تھیں اور عورتوں کے مشاغل کو اس طرح مذہبی رنگ دینے میں اس حد تک شاعرانہ نزاکت سے کام لیا گیا، کہ آواز بازگشت کو بھی جو حقیقتاً مکمل خلوت سکون سے پیدا ہوتی ہے۔ عورت ہی سے منسوب کیا گیا یعنی اسکو بھی دیوی قرار دیا گیا۔ محض اسلئے کہ عورت کی زندگی ایک خلوت وسکون کی زندگی تھی۔

یہ امر مسلم ہے کہ دنیا میں تمام ممالک نے اول اول بت پرستی اختیار کی اسلئے کائنات کو مذہب کے متعلق جو اوّلیں درس دیا گیا، وہ بت پرستی کا تھا۔ پھر دیکھیو کہ بت پرستی کیونکر قائم ہوئی اور علم الاصنام کی بنیاد جو اوّلیں روایات مذہبی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکر عالم وجود میں آیا۔ اگر عورت کا وجود دنیا میں نہوتا تو نہیں کہا جا سکتا کہ مذہب کس طرح عالم وجود میں آتا۔ اور اُسکے ظہور کیلئے قدرت کس طریق کو استعمال کرتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر علم الاصنام کے وجود کا ذریعہ صرف مرد ہوتا، تو نہ اس میں اتنی وسعت ہوتی اور نہ وہ شاعرانہ لطائف پیدا ہوتے جو اب نظر آتے ہیں یا جو عورت کی وجہ سے اس میں پیدا ہوئے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر عورت کی وجہ سے بت پرستی کی بنیاد قایم ہوئی تو یہ صحیح مذہبی

نقطۂ نظر سے ایک قوم کیلئے باعث انحطاط ہو نہ کہ باعث ترقی، اسلئے عورت کا وجود اس مسئلہ میں سخت غیر مفید ثابت ہوا لیکن اگر معترض ذرا غور کرے، تو اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں جبکہ انسان بالکل وحشی حالت میں تھا۔ بت پرستی کوئی معصیت نہ ہو سکتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں مذہب اسلام کی تعلیمات بہترین تعلیمات مذہب ہیں لیکن اگر اسلام کی تعلیمات اور عہدہ عیسوی و موسوی اور اس سے قبل دیگر انبیا کی تعلیمات پر غور کیا جائے، تو ان سب میں تفاوت پایا جائیگا اور معلوم ہوگا کہ کس طرح زمانہ کی تدریجی ارتقا کے ساتھ تعلیمات میں پاکیزگی بڑھتی گئی۔ اگر اسلام کی تعلیمات کا متحمل ہونے کے لئے زمانہ پہلے ہی تیار ہوتا، تو اسی وقت یہ تعلیمات پیش کر دی جاتیں لیکن خدا نے ایک مذہب کو رواج دیکر ہمیشہ اس لیئے منسوخ کیا کہ اسکی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ بالکل ممکن ہے کہ تخلیق کائنات کی ابتدائی حالت میں بت پرستی ہی ان لوگوں کے حال کے لئے موزوں و مناسب ہو حروف تہجی کا کوئی مفہوم نہیں ہے لیکن اسلئے کہ وہ ذریعہ ہیں آئندہ حصول علم و زبان کا اُن سے مفر کوئی نہیں اور ان کا پڑھنا ضروری ہے۔ پھر علاوہ اسکے اگر نگاہ انصاف سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ قدیم علم الاصنام حقیقتاً بت پرستی نہ تھا بلکہ محض فن پرستی تھا کیونکہ جتنے دیوتا یا دیویاں تھیں سب انھیں فنون سے متعلق تھیں، جو اُسوقت رائج تھے اور جن کی ترقی پر انسانات کی ترقی قائم ہونے والی تھی۔ اسلئے لوگوں کو استطاعت ترغیب دلانے کی اور کوئی ترکیب ہی نہ تھی کہ اُن کو مذہبی صورت دیدی جائے اور اسطرح لوگ اُن کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ پھر چونکہ زمانۂ قدیم کے لوگ عقل و ذہانت کے مدارج بہت اعلیٰ پر ترقی نہ کر چکے تھے، اور اُن کا دماغ اس بات کے

سمجھنے سے عاری تھا کہ ترقی کس کو کہتے ہیں اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کس چیز پر منحصر ہے اسلئے نہ انکو فلسفۂ اقتصاد کا کوئی درس دیا جا سکتا تھا نہ فلسفۂ اخلاق و معاشرت کا انکی زندگی یکسر حرکت و عمل تھی اور انکا دماغ نکات علمی کے سمجھنے کا اہل نہ تھا اسلئے ان کا رجحان ترقی کیطرف اسی طرح ہو سکتا تھا کہ خود انہیں کے پیدا کیے ہوئے مشاغل کیطرف سے انکے دلوں میں عظمت و حرمت کا خیال قائم ہو جائے اور وہ رضا ہونے کی حیثیت سے انکو اختیار کرنے لگیں چنانچہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسی خیال کا اثر تھا کہ زمانۂ قدیم کے تمام فنون آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے یہاں تک کہ جب قوت فکر و عقلیں پختہ ہو گئیں اور اصل مقصود حاصل ہو گیا تو بت پرستی آپ ترک ہو گئی اور اعمال تزکیۂ نفس فلسفۂ ترقی کے لحاظ سے ظاہر ہونے لگے خود قرآن پاک کے دیکھنے سے بھی اسکا پتہ چلتا ہے جب رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تو شراب کثرت سے رائج تھی اور خدا پسند نہ کرتا تھا کہ لوگ اسکا استعمال جاری رکھیں آپ دیکھینگے کہ دفعۃً لوگوں کو اسکے استعمال سے نہیں روکا گیا سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ (نشہ کی حالت میں تم نماز ادا نہ کرو) جب لوگ اسکے متحمل ہو گئے تو پھر ارشاد ہوا کہ شراب میں نقصان کثیر ہے اور نفع کچھ نہیں یا بہت قلیل ہے جب اسکو بھی کچھ زمانہ گزر گیا تو ایک قطعی و ازعانی حکم دیا گیا انما حرمت علیکم الخمر (تم پر شراب حرام کر دی گئی) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حکم اول کے وقت شراب کے حرام کر دیے جانے کی وجہ موجود نہ تھی یقیناً تھی لیکن خدا سمجھتا تھا کہ دفعۃً لوگوں کو باز رکھنے میں کامیابی نہ ہوگی۔ اسلئے ایسا نہیں کیا گیا اور آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں اس کیطرف سے تنفر پیدا کر کے کامیابی حاصل کی گئی۔

ہر چند موضوع تصنیف کے لحاظ سے کسی کا یہ شبہ کرنا درست نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جو تصنیف جس موضوع پر ہوتی ہے اسی کے لحاظ سے اس پر تنقید کی جاتی ہے اور علم الانسان کا موضوع اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی مذہب کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر حکم لگایا جائے بلکہ صرف دیکھنا یہ ہے کہ بہ لحاظ مذہب، عام اس سے کہ وہ ابتدائی حالت اور بدو ارتقائے عالم میں کیا تھا، انسان نے کیا کیا لیکن میں نے تھوڑی سی گفتگو کو مذہب کے صحت و سقم کی نسبت، صرف اسلئے جائز رکھا کہ شاید کوئی اصول تنقید کو پیش نظر رکھے اور اسکے دل میں یہ شبہ ناشی ہو۔ بہرحال میں اس باب کو ختم کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ گزشتہ بیان سے مذہب کے متعلق عورت کے کارنامے جو زمانۂ قدیم میں اسکی طرف سے ظاہر ہوئے، اچھی طرح معلوم ہو سکتے ہیں۔

گیارھویں فصل

نتیجہ

تہذیب نتیجہ ہے ترقی کا خالص طبعی حیات حیوانی سے شائستگی کی غیر طبعی زندگی کی طرف۔ اس ترقی کے محرک اصلی اور اس کو زندہ رکھنے والے انسانی ضروریات وخواہشات ہیں۔ تاوقتیکہ انسان اپنے داعیات کے لحاظ سے بالکل مطمئن نہیں ہو جاتا، اس کی رفتار ترقی بدستور قائم رہتی ہے۔ اس ترقی یعنی خواہشات انسانی پورا کرنے کے لئے فطرت نے نہ صرف جمادات، نباتات، وحیوانات کی صورت میں کافی مواد فراہم کیا بلکہ غیر محسوس قوائے عالم اور اُن کے اثرات نے جو ظہور انسان سے قبل ابھی تاریخ کائنات پر موثر ہو رہے تھے انسان کو ترقی میں بہت مدد دی۔

جس وقت انسان اول اول زمین پر پہنچ گیا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت اس سے یہ کہہ کر الگ ہو گئی ہے کہ "وہ تم جانو اور یہ دنیا" لیکن یہ واقعہ ہے کہ فطرت خود کائنات کی آبادی کی متمنی تھی اور وہ نہایت مخفی طریقہ سے انسان کی مدد کر رہی تھی۔ بہر حال جب نسل انسانی کرۂ زمین پر نمودار ہوئی تو اس نے تمام عطیات قدرت سے، جو خود اسکے نفس و دماغ اور دیگر مادی اشیاء پر مشتمل تھے، فائدہ اُٹھا کر اپنے فرائض ادا کرنے شروع کئے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سب سے زیادہ مفید معاون صرف اسکا دماغ تھا۔ ورنہ جہاں تک

کہ صرف زمین کے اُنھیں حصوں میں ترقی ہوسکتی، جہاں فطری پیداوار کثرت سے پائی جاتی تھی، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ترقی پیداوار کے لحاظ سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی بُنیاد زیادہ تر انسان کی کوششوں پر قائم ہوئی اور غالباً آج بھی یہی اصول ارتقاء نظام کائنات میں مؤثر و کارگر ہے۔

دیکھا جاتا ہے کہ بعض ایسے ممالک میں جو پیداوار کے لحاظ سے چنداں قابل لحاظ نہ تھے انسان نے کافی ترقی کی۔ اور جہاں پیداوار کی کثرت تھی وہاں وہ زیادہ ترقی نہیں کرسکا اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ تنہا قابل اعتبار سرمایہ جس سے مرد و عورت نے بازار عالم میں اپنا کاروبار شروع کیا، صرف ان کا دماغ تھا۔ اور یہ ساری رونق اسی ایک سرمایہ کی ممنون ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں نے ارتقاء میں کیا کیا حصہ لیا۔ گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرد اپنی قوت جسمانی سے کام لیکر فتوحات حاصل کر رہا ہے تو عورت اپنے دماغ سے کام لیکر ان فتوحات کو مختلف صورتوں سے محفوظ و قائم رکھنے کی خدمت انجام دے رہی تھی اگر وہ تلاش و جستجو میں اِدھر اُدھر پھرا کرتا تھا تو یہ اُسی آوارہ زندگی میں امن و سکون پیدا کر رہی تھی، اگر وہ منتشر و پراگندہ رہنا چاہتا تھا، تو اس کی طبیعت اجتماع پسند واقع ہوئی تھی۔ یعنی اگر مرد کے اندر محاربانہ روح پائی جاتی تھی، تو عورت کے اندر ترقی فنون کے جذبات موجزن تھے۔

مردوں کے کارناموں کی نسبت ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائینگی اور اس میں کلام نہیں کہ ان کتابوں نے نوجوان دماغوں میں ولولہ ترقی

کے نہایت مفید جذبات پیدا کئے لیکن افسوس ہے کہ عورت کے صبر و تحمل عورت کی محنت و کاوش، عورت کی محبت و خلوص اور اسکے پُر ولولہ جذبات کی داستانیں ہنوز ہم کو نہیں سنائی جاتیں اور تماشاگاہ عالم کی اس کمزوری لیکن اہم عجوبہ کے حالات سے اعتنا نہیں کیا جاتا ہے۔ ماضی اور حال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش کے وقت دنیا میں ظلمت و نور، خیر و شر، جہل و علم مروج تھے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ تاریکی و جہل دور ہوتے گئے اور حقیقت و صداقت ہر نئے آنے والے دن کے ساتھ اپنے چہرے سے نقاب الٹتی گئی۔ اسلئے آج جبکہ دنیا اپنی ترقی کے انتہائی مدارج طے کر رہی ہے، اگر عورت مردوں کی حق ناشناسی کو محسوس کر رہی ہے تو حیرت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ جب وقت و موسم احساس پر مجبور کر دیتا ہے، تو اس کی قوت نہایت شدید اور اسکے اثرات نہایت مستحکم ہوتے ہیں اور دنیا کی کوئی مخالف قوت اُسے باز نہیں رکھ سکتی۔

مغرب نے جس قدر ترقی زندگی کے مختلف شعبوں میں کی ہے، وہ محتاج بیان نہیں اسلئے ایسی کھلی ہوئی روشنی میں مردوں کیلئے ناممکن تھا کہ وہ تمام ثمرات ترقی کو صرف اپنے ہی لئے مخصوص رکھتے اور عورتوں کو اس شجر ممنوع تک پہونچنے سے زیادہ عرصہ تک باز رکھ سکتے۔ یقیناً کچھ زمانہ تک مرد نے اپنی قوت سے کام لیکر عورت کے جذبات کو زیادہ ابھرنے نہیں دیا۔ لیکن آخرکار ایک وقت جس کو آنا چاہیئے تھا۔ آیا۔ اور طبقۂ نازک میں اسکا احساس ہوتے ہی سارا طلسم فریب کا جو مردوں نے قائم کیا تھا ٹوٹ گیا۔ گویا کہ وہ مکڑی کا بنا ہوا جال تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے عورتوں کی یہ اور ایسی بیداری ہر لحاظ سے مفید و مستحسن ہے۔ لیکن

اس میں کلام نہیں کہ بہر نوع عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور اگر وہ اُن کا مطالبہ کریں تو ہمارے لئے چیں بجبیں ہونیکی کوئی وجہ نہیں جنھوں نے اقتراعیات (حقوق طلب بیبیوں) کے حالات کا موجودہ زمانہ میں مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انکے مطالبات کیسے سخت اور کس درجہ "بطش شدید" کے تحت میں آسکتے ہیں۔ ہر چند یورپ اُن خطرات کو جو عورتوں کی اس قیامت خیز بیداری سے پیدا ہو سکتے ہیں، محسوس کر رہا ہے اور وہ جنس لطیف کی ان جارحانہ بیباکیوں کو نظر پسندیدگی سے نہیں دیکھتا لیکن اب اسکا کوئی علاج بظاہر نظر نہیں آتا اور نہ شاید نظام کائنات اپنی اس جراحت کا مداوا پسند کریگا۔ ترقی تہذیب جس طرح ایک قوم کے لئے باعث خیر و برکت ہو سکتی ہے، اسی طرح اگر وہ حد سے زیادہ گزر جائے تو اذیت و مصیبت بھی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عورتوں کے اندر یہ انقلاب خود مردوں کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہی اسکے ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ اُنکے اندر آزادی کے نامناسب جذبات پیدا نہ ہونے دیتے اور شروع سے اُن کو بالکل مغلوب بنائے رہنا اپنا شعار قرار نہ دیتے، تو اب یہ حالت کہ گوشت سے ناخن جدا ہو جانا چاہتا ہے، کبھی پیدا نہ ہوتی اور مرد و عورت، جو دونوں باہم مل کر نظام تمدن قائم رکھنے کے لئے عالم ایجاد میں آئے تھے، ایک دوسرے سے چھٹ کر الگ الگ میدان ترقی پیدا نہ کرتے۔ مرد و عورت ایک ہی دنیا میں پیدا ہوئے، ایک ہی دنیا میں اُنھوں نے زندگی بسر کی، اور ایک ہی خیال کو لیکر دونوں ساتھ ساتھ میدان عمل میں آئے۔ اسلئے ظاہر ہے ان میں تفریق و انشقاق کبھی قوم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا اور وہ گاڑی جس کا وزن دو پہیوں پر برابر تقسیم ہے۔ اپنا ایک پہیہ ضائع کرنے کے بعد

کبھی نہیں چل سکتی۔

ہندوستان کو، جو سلطنت برطانیہ کے زیر نگین ہونے کی وجہ سے یورپ کی معاشرت، یورپ کی تہذیب، یورپ کی زندگی میں تحلیل ہو جانے کے لئے بنتا نظر آتا ہے، غور کرنا چاہیے کہ طبقۂ نسواں کیلئے کس نوع کی تعلیم مفید ہو سکتی ہے اور وہ اصول تربیت کیا ہیں، جن کے بغیر دنیا کی ہر تعلیم بجائے مفید ہونے کے نقصان وضرر میں ایک بڑا اضافہ ہے۔ اگر ہندوستان کی عورت بھی اپنے دماغ میں حریت وآزادی کا سودا پکا رہی ہے۔ اگر اس کا مذاق ترقی، حریم خانہ کی بلند دیواروں سے نکال کر، بازاروں، باغوں، تفریح گاہوں میں لے جانا چاہتا ہے تو مردوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہندوستان کی عورت بھی اُس منزل کیطرف حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے، جہاں تک پہونچنے کے بعد یورپ کی عورت پھر پلٹ کر اپنی کھوئی ہوئی نسائیت کو ڈھونڈھ نہیں سکی۔

عورتوں کو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر خدا نے انکی جنس کو مردوں کی جنس سے مختلف ومتمائز بنایا ہے، تو یقیناً اس کا مقصود یہی تھا کہ عورت جو فرائض اپنے لئے مقرر کرے وہ مردوں کے فرائض سے جدا ہوں ورنہ اس تفریق جنس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر ان فرائض کا جان لینا جس طرح ایک مرد کیلئے آسان ہے، اسی طرح عورت کیلئے بھی دشوار نہیں کیونکہ انکا تعلق بالکل انسان کی فطرت سے ہے اور حیات طبعی کے جبلی امیال وعواطف سے ان فرائض کے حدود مقرر کئے جاتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ جب انسان کی فطری منن عمل کے مخالف مناظر و مظاہر

سے متاثر ہوکر کُند یا گمراہ ہو جاتی ہو تو آدمی کے لئے کذب کو صداقت سے حقیقت کو عوارض سے جدا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہو کہ اسوقت مغرب کی عورت اپنے حقیقی فرائض کو بھول کر اُن سے بہت دُور جا پڑتی ہو لیکن اگر ہندوستان ابھی سے اس طرف توجہ کرے تو وہ خطرات جو عورتوں کی بیجا آزادی اور نامناسب طریقۂ تعلیم و تربیت سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں آسانی سے روکے جا سکتے ہیں۔

عورت کو سمجھنا چاہیئے کہ اس کی زندگی کا اوّلین فرض، حیات منزلی کے احترام کو قایم رکھنا اور تربیت اولاد کے صحیح دفطری اُصول پر کاربند ہونا ہے۔ وہ اسلئے وضع نہیں ہوئی کہ دنیا کے ہر ہنگامہ میں حصہ لے کر اپنے دماغ کو متاثر و متاذی کرتی رہے۔ وہ صرف اسلئے پیدا ہوئی ہو کہ عالم میں اپنے لطیف و شریف جذبات سے آرام و سکون پھیلائے۔ اسکی ساری دنیا اس کا مکان اُسکی دُنیا کی تنہا آبادی اُس کی اولاد ہے۔ اگر وہ کرنا چاہے تو اپنی اسی مختصر دنیا اور اسی محدود آبادی کے انتظام سے فرصت نہیں پا سکتی۔ پس اگر وہ اسطرف سے غافل ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ تمام عالم کی طرف سے بے پروا ہے، اگر وہ اس طرف متوجہ ہو تو یقین کرنا چاہیئے کہ ساری کائنات اس کے التفات کی ممنون ہے۔ اس کے اختیار میں ہے، چاہے وہ اپنے بچے کی اچھی تربیت کرکے نظام عالم میں امن و سکون پیدا کردے چاہے اسکی تربیت کو خراب کرکے کائنات کے شیرازہ کو ابتر و منتشر۔

عورت کی خدمات اس قدر اہم و ضروری ہیں کہ دنیا کو ہمیشہ انکی ضرورت

تھی اور رہیگی۔ اِسلئے اسکا اپنے حقیقی فرائض سے منحرف ہو جانا نظام عالم کا مضطرب ہو جانا ہے اور اس کمی کو، جو عورت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ جانے سے پیدا ہو جاتی ہو، دنیا کی کوئی سائنس پورا نہیں کر سکتی۔

عورت کی وہ تنہا صفت جو اُسکو مردوں سے ممتاز کر سکتی ہے، صرف یہ ہے کہ اسکا گھر تہذیب و تمدن کی آغوش ہے اور اس کی آغوش تربیت و شائستگی کا گہوارہ .... اِسلئے اسکو سمجھنا چاہیئے کہ وہ حیات منزلی و تربیت اولاد کے نقطۂ نظر سے اِس صفت کی حامل ہے یا نہیں۔

ابواب ماسبق کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عورت کا دماغ کسقدر اخّاذ و خلّاق واقع ہوا ہے اور وہ انتظامِ خانہ داری کے متعلق کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ اسلئے اگر وہ اپنی زندگی کے اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر ترقی کرنا چاہتی ہے تو مبارک ہے اسکا یہ خیال، کیونکہ فطرت اس سے یہی چاہتی ہے، لیکن اگر وہ اس خیال سے علیحدہ ہوکر ترقی کرنے کی آرزومند ہے، تو یقیناً وہ مردوں کی زندگی کو معطل کر دیگی۔ کیونکہ عورت تو مردوں کے بہت سے مشاغل اختیار کر سکتی ہے لیکن مرد کے سخت اعضا اور اسکی کرخت طبیعت حیوۃ منزل و تربیت اولاد کے فرائض کو صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتی۔

اگر کوئی شخص اُن وحشی ممالک میں سیاحت کرے، جن میں ترقی و تہذیب کو درخورِ حاصل ہو چلا ہے، تو وہ دیکھیگا کہ تہذیب جدید کے زیر اثر سو میں پانچ مرد بھی ایسے نہیں ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کے قدیم راستے کو چھوڑ کر نئی راہ میں قدم اُٹھایا ہو برخلاف اسکے عورتوں نے وحشت سے تہذیب کیطرف

منتقل ہونے میں بھی، اپنے قدیم مشاغل سے انحراف نہیں کیا۔ وہ اب بھی کاتتی اور بنتی ہے، وہ اس وقت بھی انتظام خانہ داری میں مشغول بدستور نظر آتی ہے۔ اُس کے وہی زیور ہیں اور وہی برتن، اُسکی وہی زندگی ہے اور وہی اُصول حیات۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب بجائے قدیم اوزار کے وہ زیادہ تہذیب آلات سے کام لیتی ہے اور بہ نسبت پہلے کے بہتر اشیاء تیار کرنے لگی ہے۔

طبیبین کہتے ہیں کہ جسمانی ساخت میں ہر تغیر، تمام نظام جسم میں ویسے ہی متعدد تغیرات پیدا کر دیتا ہے۔ وحشی مرد اپنے اسی وحشیانہ زندگی میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے لیکن جب بابند تہذیب اس کو متاثر کرتی ہے، تو نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اُسے تیر و کمان رکھ کر عورت کے اوزار لینے پڑتے ہیں۔ اور وہ ان کے استعمال میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مرد اگر آج کاشتکار ہے تو کل لکڑہارا ہے، اس وقت جنگل میں ہے تو دوسرے وقت آبادی میں اور یہ زندگی اُسکے جسم و دماغ کو بالکل بیکار کر دیتی ہے۔ وہ اُصول، وہ مشاغل جو آج اسکے دماغ پر مستولی ہیں کل غائب ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس کو اپنی ذہانت و فراست کی تکمیل و تربیت کا موقع نہیں ملتا۔ برخلاف اسکے وحشی قوم کی عورت جب ترقی کرتی ہے، تو اُسے اپنے فرائض میں بہت معمولی تغیرات کرنے پڑتے ہیں لیکن اُس کے تصورات و قیاسات وہی قایم رہتے ہیں اور اُس کے داعیات و مشاغل وہی۔

اس وقت بہت کم مرد ایسے ہیں، جن کے مشاغل وہی ہوں جو اُنکے آبا و اجداد کے تھے اسلئے وہ اپنی رائیں مطالعہ و کاوش سے قائم کرتے ہیں

اور عورتیں قریب قریب اب تک وہی کام کر رہی ہیں جو اُنکی مائیں اور ماؤں کی مائیں کرتی تھیں، اسلئے عورت اس ذوق کو لیکر پیدا ہوتی ہے جو فطرت نے اسکے لئے مخصوص کر دیا ہے اور مرد اپنے مذاق فطری میں اسقدر تغیرات دیکھ چکا ہے کہ وہ بغیر کسب و اکتساب کے محض خالص ادعائے فطرت کے لحاظ سے کوئی کام دنیا کا نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ جب عورت کسی ایسے مسئلے پر گفتگو کرتی ہے جو اس کی جنس یا اُس کے مشاغل سے متعلق ہوتا ہے، تو اُس کا بیان بہت وسیع، مؤثر اور پُر از معلومات ہوتا ہے۔

یہ ترقی جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قوت حیوانی و قوت روحانی۔ ان دونوں قوتوں میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہتی ہے۔ قوت اولی ترقی کی مخالف اور ہلاکت کی طرفدار ہے، قوت ثانیہ ارتقا کی محرک ہے اور وسعت تہذیب کی معاون اسلئے اگر تمھیں کوئی ایسی قوم نظر آئے، جو اپنے اخلاق کے لحاظ سے پست ہے، تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی قوت روحانی سلب ہو گئی ہے، اور قوت حیوانی اسکو ہلاکت کی جانب لئے جا رہی ہے۔

مذہب طبعیین کا مشہور نظریہ ہے کہ دنیا میں تنازع للبقا عام طور سے جاری ہے اور صرف وہی فرد باقی رہ سکتا ہے، جو اصلح واقوی ہو، اور اس کا ثبوت وہ دنیائے نباتات وحیوانات سے دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فطرت کا یہ قانون بڑا زبردست قانون ہے اور اس میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ لیکن جسمانی، معاشری، اخلاقی تعزیریں، جو فطرت کی طرف سے نوع انسان پر جاری ہوتی رہتی ہیں، وہ بہت زیادہ عبرتناک ہیں، عالم حیوانات میں بھی ہر وہ

نوع جس کی مادہ ہلاک کر ڈالی جاتی ہے، بہت جلد نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ اسلئے ظاہر ہے کہ نوع انسان میں اس کے اثرات اور زیادہ شدید و قوی ہونگے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو، تمھیں معلوم ہوگا کہ اس کی صحیح ترقی کا زمانہ وہی تھا جب اُس کی عورتیں بہتر حالت میں تھیں، گویا عورت کی ترقی اور قوم کی ترقی ایک ہی چیز تھی۔ اسی طرح ایک قوم کا بدترین زمانہ وہ ہوا ہے جب اُس نے عورت کا احترام ترک کر دیا، اور اس طرح خود عورت اپنی عزت و نفست کو بھول گئی، گویا عورت کی تحقیر و ادبار دونوں مترادف ہیں۔ یہی وہ نکتہ نظام کائنات کے متعلق اسلام کے پیش نظر تھا کہ اس نے عورتوں کی اصلاح کو اہم امور اسلامی میں جگہ دی۔

اب ہم ابواب سابقہ پر ایک تبصرہ کرتے ہوئے ملخصاً عورت کی تاریخ پر علم الانسان کے نقطۂ نظر سے، روشنی ڈالتے ہیں، جس سے یکجائی طور پر معلوم ہو سکیگا کہ عورت نے زمانۂ قدیم میں کیا کیا اور اس کے احسانات تمدن عالم پر کس قدر بلند و عظیم ہیں۔ یوں تو ہم عورت کے تمام خدمات کا خلاصہ اس طرح ظاہر کر سکتے ہیں کہ اس نے جغرافیہ و تاریخ کے تعلق کو متحقق کیا، اس نے عالم نباتات و جمادات و حیوانات پر اپنے تصرف کو قائم کیا۔ اس نے علاوہ قوائے جسم انسانی کے دوسری قوتوں سے بھی کام لیا، اس نے مختلف فنون اختراع کئے، اُس نے معاشرت کے اصول مرتب کیے، زبان ایجاد کی، مذہب کو ترقی دی، لیکن چونکہ محض یہ دعوے مفید یقین نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس کتاب میں تاریخی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اس باب میں ہم اس پر اجمالی نگاہ

ڈالتے ہیں۔

زمین کو جغرافیہ طبعی کے ماہرین نے مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہو اور ہر حصّے کا ایک الگ نام رکھا ہے۔ یہ تقسیم بہ لحاظ پیداوار و ذرائع ترقی و نیز باعتبار حیوانات و اسباب آبادی کی گئی ہے۔ جس میں نہ صرف آب و ہوا کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ ملک کے نشیب و فراز، ذرائع آب رسانی و سواحل وغیرہ سے بھی اعتنا کیا گیا ہے، کیونکہ ان چیزوں کا تعلق اُس ملک کی آبادی و ترقی سے بہت قریب کا تعلق ہے اور انھیں کو دیکھ کر حکم لگایا جاتا ہو کہ انسان نے ابتدائی حالت میں فلاں ملک میں کیا ذرائع، جز حیات کے لئے اختراع کئے ہونگے اور کیونکر اُسنے آہستہ آہستہ ترقی کی ہوگی۔

یہ صحیح ہو کہ تمام ممالک میں اس وقت مرد کا صرف ایک ہی مشغلہ تھا اور اس کی تمام ذہانت انھیں آلات و اوزار کی ساخت پر صرف ہوتی تھی، جو اسکے مشغلہ شکار کے لئے مفید و ضروری تھے۔ یقیناً ان اوزار کی شکل و صورت میں ہر ملک کے لحاظ سے کچھ فرق تھا، لیکن وہ اعتنا کے قابل نہیں۔ کیونکہ اوّلاً تو وہ فرق نہایت خفیف تھا اور دوسرے اُس فرق سے اصل مقصود کے حصول میں کوئی حرج یا زیادہ آسانی نہ تھی۔ لیکن جس وقت جمادات سے کام لے کر مرد صرف شکار کرنے کے آلات تیار کر رہا تھا، اُس وقت عورت اس سے چاقو، برتن، چکیاں وغیرہ تیار کر رہی تھی اور اگر نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ عورت کے اختراعات کس درجہ مفید و مکمل تھیں کہ شکار کرنے کے آلات و اوزار آج بالکل بدل گئے ہیں لیکن عورت کی ان قدیم چیزوں میں حقیقت کے لحاظ سے

کوئی تغیر نہ ہوا گو صورت کے لحاظ سے ہو گیا ہو۔ پھر پانی کے چشموں اور نالوں سے جو تعلق عورت کو تھا وہ بھی جمادات کے ہی سلسلہ میں شمار کیا جائیگا۔ آج بھی تمام ممالک میں جسقدر کام پانی کی مدد سے پورے ہوتے ہیں اُن میں اکثر و بیشتر عورت ہی حصہ لیتی ہے۔ افریقہ، امریکہ، ایشیا میں ہر جگہ پانی لانا۔ اُس کو حفاظت سے رکھنا، اُس سے اپنی کھیتیاں سینچنا، عورت ہی کے اہم فرائض میں داخل ہے۔ عالم جمادات سے متعلق اس نے ایک اور ایسی چیز بنائی جو آج بھی اُسی حالت میں پائی جاتی ہے یعنی نمک۔ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح عورت نے اوّل اوّل نمک کو دریافت کیا اور کس طرح بعض درختوں سے شورہ نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ پھر اسی کے ساتھ برتن بنانے کے سلسلے میں کان کنی، مختلف قسم کی مٹیاں تیار کرنا، سوپ اسٹون پتھر کے خواص دریافت کرنا یہ سب عورت ہی کے کام تھے اور اس میں مرد کوئی حصہ نہ لیتا تھا۔ عالم نباتات سے عورت کا جسقدر تعلق ہے وہ ایسا وسیع ہے کہ اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے گویا اُسے عورت کیلئے ہی مخصوص کر دیا تھا۔ نباتات کے چار خاص مصرف تھے۔ اس کو غذا بنانا، اس سے ریشے نکالنا، لکڑیاں مختلف کاموں کے لئے حاصل کرنا اور ان کو بونا، ان چاروں استعمالات سے عورت کو جس قدر تعلقات تھے وہ بیک نظر معلوم ہو سکتے ہیں۔ جڑوں، بیلوں، بیجوں کو اکٹھا کرنا، بار کر کے لیجانا ان کے خرمن بنانا، پکانا، سب عورت ہی کے ذمہ تھا۔ وحشی مردوں نے کبھی غذائے نباتات کے متعلق کوئی خدمت انجام نہیں دی اسی طرح وہ پودے، جو دوا کے کام میں آتے تھے اُن کو بھی عورت ہی جمع

کرتی تھی، اور اُسی نے ان درختوں کے خواص معلوم کر کے، دنیا کی سب سے پہلی قرابادین جمع کی۔ چھالوں، گھاس اور جڑوں کو جمع کرنا، ان کو پھاڑنا، بل دینا رنگنا اور پھر اُن سے ٹوکریاں بنانا، جال تیار کرنا، کپڑا بننا عورت ہی کی ایجاد ہے جس میں مرد کا کوئی حصّہ نہیں۔ اور اگر کبھی کوئی مرد حصّہ لیتا بھی تھا، تو اُس وقت جب اس کی نسبت طے ہو جاتا تھا کہ وہ مردوں میں شمار کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

آج پارچہ بافی نے جس قدر ترقی حاصل کر لی ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، لیکن اس کے تمام اصول و ذرائع وہی ہیں، جو زمانۂ قدیم کی وحشی عورت نے دریافت کئے تھے، صرف آلات میں فرق ہو گیا ہے اور سائنس نے وقت کو وسیع کر دیا ہے یعنی جو کام پہلے دنوں میں ہوتا تھا وہ اب ساعتوں میں ہو جاتا ہے، مگر اختراع و ایجاد کا فخر زمانۂ قدیم کی عورت ہی کو حاصل ہے، اور وہی اُس کی مؤسّس اول ہے لکڑی سے کام لینے میں عورت نے اپنا وقت زیادہ صرف نہیں کیا۔ اس نے صرف ایندھن جمع کیا، خیمے کے ستون بنا لیے، اور چھالوں سے یا لکڑی کے ٹکڑوں کو کھود کر رکابیاں تیار کیں، لیکن کشتیاں اور آلاتِ حرب بنانے میں زیادہ تر مرد ہی نے حصّہ لیا۔ اسی سلسلے میں زراعت اور باغبانی کو نظر انداز کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف زمانۂ قدیم میں، بلکہ اس وقت بھی عورت ہی بہترین مزارع و باغبان ہے۔

عالمِ حیوانات میں بھی عورت کے کارنامے کثیر ہیں۔ ہر چند وہ عام طور سے جانور کا شکار نہ کرتی تھی، لیکن مچھلیاں پکڑنا اس کے خاص مشاغل میں سے تھا۔

شکار کے بعد گوشت کو علیحدہ کرنا، اُسے پکانا، کھال کو صاف کرنا، اور اسکی چیزیں تیار کرنا، زمانۂ قدیم میں صرف عورت کا کام تھا۔ کپڑا سینا، لباس تیار کرنا، سمور بنانا، سب جنس نازک سے وابستہ تھا، اور مردان فنون کے نکات سے ناواقف تھا، جانوروں کو پالنے کا خیال سب سے پہلے عورت ہی کو پیدا ہو لیکن اوّل اوّل مقصود یہ نہ تھا کہ اُن سے سواری کا کام لیا جائے، بلکہ صرف اُون اور دُودھ کے لئے اِن کی پرورش کی جاتی تھی، رفتہ رفتہ اُن سے باربرداری کا کام بھی لیا جانے لگا۔ گھوڑا، اونٹ گائے، گدھا، کتا، نہ صرف بارداری کے جانور تھے بلکہ اُن سے اور کام بھی لیے جاتے تھے، مثلاً کتا کہ اس سے شکار میں بھی مدد لی جاتی تھی یا اونٹ وغیرہ کہ اُن کا دُودھ بھی نکالا جاتا تھا، پھر کھال حاصل کرنے کی غرض بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ اُنکے مرجانے کے بعد اُنکے چمڑے کو بنا کر عمدہ ملبوس تیار کیا جاتا تھا، بھیڑ، بکری کی پرورش زیادہ تر دُودھ اور اُون حاصل کرنے کے لیے تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ عورت کا یہ اکتشاف، کہ بہت سے جنگلی جانوروں سے دُودھ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، ترقی قوم کے لئے از بس مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ بچّوں کی پرورش میں اِن جانوروں کے دودھ نے بہت مدد ملتی تھی اور اگر ایک طرف بچّے زیادہ محفوظ رہتے تھے تو دوسری طرف عورتوں کو نہ صرف کافی وقت ملتا تھا کہ وہ دیگر مشاغل میں مصروف ہوسکیں، بلکہ وہ کمزور ہونے سے بھی محفوظ رہتی تھیں۔

زمانۂ قدیم میں انسان دیگر قوائے عالم و آلات جرّ ثقیل وغیرہ سے ناآشنا تھا، اور اس طرف اس نے نہایت آہستہ آہستہ قدم اُٹھایا، لیکن اس سے انکار

نہیں کیا جا سکتا کہ ایک وقت آیا جب مرد نے بعض بھدّے آلات تیار کیے
اور اسکی مدد سے اس نے اپنی محنت کو زیادہ قوی الاثر بنایا، لیکن پہیّہ کا وجود
اس وقت تک نہ تھا، یہ فخر عورت ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے اس نے
چرخہ میں ایک گردش کرنے والے پہیّہ کو اختراع کر کے ایک ایسی چیز عالم ایجاد
میں پیدا کی۔ جس پر اس وقت بھی دنیا کے تمام مہذب اقوام کی صنعت و حرفت
منحصر ہے۔ انجن، جہاز کے علاوہ تمام کارخانوں میں خواہ وہ کسی فن سے متعلق
ہوں، صرف پہیّہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اسکو علیحدہ کر دیا جائے تو سارا نظام
درہم برہم ہو جائے، اور مشینیں بیکار ہو جائیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا
جا سکتا کہ مشینوں کے متعلق عورتوں کے کارنامے بہت زیادہ وسیع نہیں ہیں۔
البتہ فطرت کی دوسری قوتوں سے زیادہ قدیم کی عورت نے بہت کام لیا۔ مثلاً آگ
سے اشیاء کو گرم کرنا۔ پکانا، خشک کرنا، غریب عورت ہی کا کام تھا اور اس وقت
تک کہ تصفیہ فلزات کا عہد نہیں شروع ہوا، آگ کا تعلق صرف عورت
ہی سے تھا۔ اسی طرح پانی سے زراعت کو سینچنا اور ہوا کی مدد سے کشتیوں کو
چلانا۔ خیموں سے دھوئیں کو دور کرنا، عورت ہی کے اکتشافات و اختراعات ہیں
اگر وحشی عورت کے خانگی مشاغل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم
ہو سکتا ہے کہ اس نے صناعاتِ حسن کے پیدا کرنے میں کتنا بڑا حصہ لیا ہے
افریقہ، اور امریکہ، ایشیا، اوشنیا، ہر جگہ ہم ایک وحشی عورت کے مشاغل کو
دیکھ کر متحیر ہو سکتے ہو۔ اسکیمو عورت کا ہڈی کی سوئی اور نسوں کے تاگے سے
لباس سینا، امریکہ کی وحشی عورتوں کا عجیب و غریب ٹوکریاں تیار کرنا، پالی نیشیا

میں اُن کا چھال اور ریردں سے مختلف چیزیں بنانا، افریقہ میں انکا کپڑے بننا، پوبلو کی عورتوں کا ظروف تیار کرنا، یہ تمام فنون و مشاغل اس قدر تکمیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں کہ اگر تم آج بھی کسی مہذب ملک کی موجودہ نسل کے انھیں مشاغل و فنون سے مقابلہ کروگے، تو تمھیں انھیں وحشی عورتوں کے نتائج سعی کو ترجیح دینی پڑیگی۔ رنگ سازی، نقاشی، بننا، ڈھالنا اور دیگر مصنوعات میں رنگینی کے مختلف اشکال سے حسن پیدا کرنا، عورت ہی کی ایجاد ہے، اور اگر جنس نازک اسپر فخر کرے تو اسکا افتخار بے محل نہوگا۔ وہ محض اپنی نگاہ کے فیصلہ اور ہاتھ کی حرکت سے اپنے مصنوعات میں بہترین حسن پیدا کرسکتی تھی۔ حالانکہ آج اسکے لئے مشینوں کی ضرورت ہے جس سے ادراک حسن کی وہ اہلیت جو قبل اختراع مشین ہر شخص کے دماغ میں فطری طور سے ودیعت تھی، بالکل مفقود ہوتی جاتی ہے۔

زبان کی ایجاد و تحفظ اور اس کی اشاعت کے متعلق، عورت نے جو کچھ کیا وہ قریب ہی کے باب میں بیان کیا جاچکا ہے اور دوبارہ تفصیل کی ضرورت نہیں لیکن اجمالاً یہ پھر ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ مختلف اشیار کے نام اور مختلف حالتوں کے اظہار کے لئے، جو الفاظ ہیں اُن کا مجموعہ زبان کہلاتا ہے۔ پھر چونکہ عورت اپنے ساتھ دنیا میں بہت سے مشاغل لائی اور اُس نے بہت سے فنون کی بنیاد ڈالی اسلئے ظاہر ہے کہ ان کے متعلق تمام اشیار کا نام بھی اُسی نے رکھا ہوگا اور ان چیزوں کے مختلف کیفیات و حالات کے اظہار کے لئے الفاظ بھی اسی نے اختراع کئے ہونگے۔ چونکہ انتظام خانہ داری کے سلسلہ میں اسکا تعلق نہ صرف اپنے خاندان کے تمام افراد، بلکہ اپنی قوم اور جوار کے لوگوں سے بھی شدید تھا، اس لئے عورت

مجبور تھی کہ وہ اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کرے اور دوسروں کے خیالات معلوم کرے اور یہی وہ مجبوری تھی جو اختراع زبان یا گفتگو کا باعث ہوئی، پھر اسکے تحفظ و اشاعت میں عورت کا جتنا حصہ ہے مخفی نہیں ۔ کیونکہ بچوں کے ایام رضاعت میں جو کم از کم پانچ سال کا زمانہ ہوتا تھا اُن کو زبان سکھانا اور مختلف ممالک میں سیر و سیاحت کی وجہ سے، خواہ وہ سیر و سیاحت بخوشی رہی ہو، یا بہ مجبوری زبان کا زمین کے مختلف حصص میں شایع کرنا، عورت ہی کا کام تھا جس طرح وہ اپنے ساتھ مختلف پیشوں کو لے جاکر چاروں طرف رائج کر رہی تھی، اسی طرح وہ زبان کو وسیع و عام کرتی جاتی تھی ۔

دنیا کا معاشری نظام بھی سب سے پہلے عورت ہی نے قائم کیا، کیونکہ اس کی ابتدا اگر کسی تعلق سے ہوتی ہے تو وہ ماں اور اسکے بچے کا تعلق ہے جو نہ صرف زمانۂ قدیم میں، بلکہ آج بھی معاشری زندگی کا بڑا شاندار منظر ہے ۔ اب ممکن ہے کہ مرد کا تعلق اپنی اولاد سے اس قدر شدید ہو کہ اسے بھی گھر کی اس مختصر انجمن میں کوئی نمایاں جگہ مل جائے، لیکن زمانۂ قدیم میں یقیناً اس کا تعلق اپنے بچوں سے بہت کم یا بالکل نہیں تھا، اور صرف ماں کا وجود ایک ایسا وجود تھا جو پرورش اولاد کے سلسلہ میں ایک غیر فانی حسن معاشرت کی بنیاد ڈال رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام اقوام کے علم الاصنام میں دیوی مائیں کثرت سے پائی جاتی تھیں، اور تمام وحشی زمین کو بھی ماں ہی سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے زمانۂ قدیم میں انسانیت کی معاشری ترقی جب انتخاب طبعی کے لئے دنیا کے تمام ذرایع کو تلاش کر رہی تھی، تو سب سے بڑا ذریعہ جو اس کو ملا، وہ زمانۂ رضاعت

کی درازی تھی۔ لیکن کیسی حیرت ناک بات ہے کہ جو چیز معاشرت کی ترقی کا باعث ہوئی، وہی ترقی معاشرت کی تکمیل کے بعد ترک کی جانے لگی۔ زمانۂ قدیم میں اس وقت تک کہ دودھ دینے والے جانوروں کے پالنے کا رواج نہ ہوا تھا، بچے کو صرف ماں کے دودھ پر قناعت کرنی پڑتی تھی، یہاں تک کہ بسا اوقات ۵ سال کی عمر تک ماں کے سینے سے لگا رہتا تھا۔ پھر جب جانوروں کا دودھ دستیاب ہونے لگا، تو ماں کی تکالیف ایام رضاعت کی کچھ کم ہوئیں۔ خیر اس حد تک بھی غنیمت تھا، لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا۔ اس میں بھی تغیرات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ماں نے دودھ پلانا ہی چھوڑ دیا اور یہ خدمت دائیوں کے سپرد ہوئی۔ پھر اس پر بھی کفایت نہ کر کے ایک قدم اور بڑھایا گیا اور دائیوں کو بھی اس خدمت سے سبکدوش کر کے مصنوعی دودھ پر بچوں کی پرورش کا انحصار رہ گیا۔ جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ فطری تعلق جو ماں اور بچے کے درمیان ہونا چاہیئے، کم ہو گیا، جس کا خراب اثر نسل انسانی پر پڑنا لازم ہے۔

زمانۂ قدیم کے نظام قبائل میں مرد کا حصہ بہت کم تھا۔ قبیلہ کا نام عورت ہی کے نام سے ماخوذ تھا، اور بچوں کے نام بھی ننھیال کے نام پر رکھے جاتے تھے۔ وہی خاندان کا شیرازہ یکجا رکھتی تھی اور وہی گھر کی سب سے بڑی ذی اثر ہستی سمجھی جاتی تھی۔

مذہب کے مسئلہ میں عورت کے کارنامے نہ صرف اس لحاظ سے قابل ترجیح ہیں کہ اس نے مذہب کی بنیاد ڈالنے میں بڑا حصہ لیا۔ بلکہ اس حیثیت سے بھی قابل احترام

ہیں کہ جو عزت و عظمت، مذہب کی عورت کے دل میں قائم ہوتی ہے، اُس سے اکثر مردوں کی طبیعتیں محروم رہتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت فطرتاً جلد متاثر ہونے والا اور دیر تک متاثر رہنے والا دل رکھتی ہے۔ عالم ارواح کی نسبت اسکے اعتقادات جسقدر مستحکم ہوتے ہیں، مردوں کے نہیں۔ زمانۂ قدیم میں وہ اپنی زندگی کے ہر گوشہ کو قسمت سے تعبیر کرتی تھی اور سمجھتی تھی کہ اس کی حیات کا ہر لمحہ وابستہ ہے آسمان کے عالم ارواح سے۔ وہ اپنے تمام مشاغل کا دیوتاؤں اور دیویوں کے نام تہیہ فرض جانتی تھی۔ اور اُس کو یقین تھا کہ اس کی زندگی جس قدر مصروف و مشغول ہوگی۔ اسی اعتبار سے آسمانی دیویاں اس سے خوش رہیں گی اور برکت دیں گی۔ چونکہ یہ خیال و اعتقاد اس کا بہت قوی تھا۔ اسلئے وہ ایک لحہ کے لیے بھی بیکار بیٹھنا گوارا نہ کرتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف پیشے اُسکے اس اعتقاد کے ماتحت قائم ہوگئے، اور تہذیب تمدن میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس حد تک زمانۂ قدیم کی عورت کے کارناموں کا اجمالی بیان کافی ہے اور اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عورت کے احسانات دنیا اور دنیا والوں پر کیسے وسیع ہیں۔

اگر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے کوئی شخص اس مسئلہ پر غور کرے گا تو وہ ضرور اس سے یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک خود عورت کو ترقی کا خیال نہ ہو، اور عورت کا ترقی کرنا سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی حیات منزلی کے تمام نشیب و فراز و جملہ نکات سے واقف ہو کر اپنے اولاد کی تربیت اُن اصول کے زیر اثر کرے، جو تخم ذہن کا کام

کرنے کا شوق اور تحقیق و جستجو کا ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔

چونکہ زمانہ قدیم کی عورت اپنے مشاغل کے لحاظ سے اکثر محنت و جستجو اور ہمہ تن تلاش و کاوش تھی اسلئے جس وقت بچہ اپنی ماں کی آغوش میں آنکھ کھولتا تھا، تو وہ سوائے حرکت و عمل کے کسی اور چیز کو دیکھتا ہی نہ تھا اس کے ساتھ وہ ایک جگہ چین سے نہ بیٹھ سکتا تھا اور وہ مجبور تھا کہ اپنے دماغ میں بھی وہی نقوش محنت و عمل قایم کرے، جن کو وہ اپنے چاروں طرف منتشر دیکھتا تھا۔

یقیناً آج نہ وہ اصول تمدن باقی ہیں جو زمانۂ قدیم میں پائے جاتے تھے اور نہ وہ مشاغل حیات زندہ ہیں جو قدیم عورت کی خصوصیات میں سے تھے۔ بہت سے وہ کام، جن کو کبھی صرف عورت کرتی تھی، مردوں نے اختیار کرلیے ہیں۔ اور ایک حد تک عورت کیلئے میدان ترقی تنگ نظر آتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ موجودہ اصول ترقی کے لحاظ سے بھی اپنے اندر کام کرنیکا ولولہ پیدا نہ کرے۔

تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی عورت اس سے زیادہ ترقی کرتی ہوئی نظر نہیں آتی کہ وہ کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتی ہے اور ضرورت کے مطابق سینا پرونا، لیکن اسکو کسی وقت غور کرنا چاہیئے کہ جب زمانۂ وحشت میں وہ اس قدر ترقی کرنے کی اہل تھی، تو کیا موجودہ عہد میں وہ کوئی ترقی نہیں کر سکتی؟

یہ صحیح ہے کہ جب تہذیب اپنے مناسب و جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے تو مذاق تعیش لوگوں میں پیدا ہو جاتا ہے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایسی صورت

ہوتا ہے جب زمانہ کسی قوم کو نیچے گرا کر پھر اُسی نقطہ پر پہونچا دینا چاہتا ہے جہاں سے اُس قوم نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

چونکہ اولاد کی تربیت، عورت کے سپرد ہے اسلئے لازمی ہے کہ اگر وہ ترقی کے صحیح اُصول کو نظر انداز کر دیگی، اگر وہ ارتقا کے اُس فلسفہ کو جو کسی وقت اسی کی ذات سے قائم تھا، بھلا دیگی تو پھر قوم کے فرزند ہرگز اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ وہ دنیا میں کچھ کام کریں اور اپنے عروج و زوال کے مسئلہ پر غور کر سکیں۔ عورت کے اختیار میں ہے، چاہے وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر کے قوم کے مستقبل کو شاندار بنا دے، چاہے وہ اچھی اولاد کی اخلاقی حالت سے غافل ہو کر اس کو تباہ و برباد کر دے۔

عورت کے جسم و دماغ کی ساخت ہی صرف اسلئے نازک بنائی گئی ہے کہ وہ دنیا کے اُن ہنگاموں میں حصہ نہ لے سکے جن کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف مرد وضع کیا گیا ہے۔ اُس کا کام ان جذبات کی پرورش کرنا ہے جن کا تعلق امن و سکون سے ہے، نہ کہ شور و ہنگامے سے۔ اگر عورت مرد کے دوش بدوش تمام مردانہ مشاغل میں حصہ لینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ اُن کو پورا نہیں کر سکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اقتضائے فطرت کے خلاف چلنے والی کہلائی جائیگی اور کائنات کا نظام جس میں نازک و کرخت، نرم و خشن دونوں پہلو برابر رکھے گئے ہیں، درہم و برہم ہو جائیگا۔

ہندوستان میں جب سے مغربی تہذیب کو فروغ حاصل ہوا ہے، عورتوں کے اندر اک ناخوشگوار انقلاب محسوس کیا جا رہا ہے۔ یوں تو بڑا حصہ تعلیم [illegible]

جاتی رہی ہے ملبوس و وضع کی خوش سلیقگی نمایاں طور سے ترقی کرتی جا رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ عورت کی وہ حقیقی نسائیت جو صحیح معنی میں قبل تعلیم پائی جاتی تھی اب مفقود ہوتی جاتی ہے اور اخلاقی حالت مائل بہ پستی نظر آ رہی ہے۔ وہ وقت جو گھر کے کاموں، اولاد کی تربیت، شوہر کی فکر آسائش میں صرف کیا جاتا تھا، اب اپنی ذات کے زیبائش و آرائش میں بسر ہوتا ہے۔ اور وہ دماغ جو پہلے خاندان کے ذریعہ روایات کی حفاظت میں منہمک رہتا تھا، اب بے جا نمود و نمائش اور لہو و لعب کی طرف مائل رہنے کا متمنی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ اب عورت وہ روحانی تسلیات ہم کو کیوں نہیں پہنچا سکتی؟ اس کے لطف و رافت، محبت و ہمدردی سے ہم کیوں محروم ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو اب مغرب کے تمام سنجیدہ و مہذب ممالک میں زیر غور ہیں کیونکہ وہاں کی عورت اپنی نسائی خصوصیات کو عرصہ ہوا خیر باد کہہ چکی ہے اور اسی لئے وہاں کی سوسائٹی اس نقصان عظیم سے آج زمانہ دراز سے متاثر ہے۔ اگر ہندوستان میں بھی عورت کی رفتار ذہن اسی طرح قائم رہی جیسی اب تعلیم یافتہ طبقوں میں دیکھی جاتی ہے تو وہ وقت دور نہیں جب ہم بھی اس تباہ کن آفت سے دوچار ہوں اور ہماری زندگی بھی اس طرح تلخ ہو جائے جیسی آج کل یورپ کے مردوں کی ہے۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ اس میں قصور کس کا ہے؟ جہاں تک غور کیا جاتا ہے تو اس میں پہلی غلطی مرد کی ہے جس نے عورت کو اپنے دائرۂ عمل سے متجاوز ہونے پر مجبور کیا اور دوسری غلطی عورت کی ہے جو اپنی گزشتہ تاریخ کو بھول گئی۔ اس لئے مرد اس کتاب کو پڑھیں اور معلوم

کریں کہ عورت کا فطری مذاق کیا ہے۔ اور اس سے عورت کو ہٹانا دُنیا پر ظلم کرنا ہے۔ اور عورتیں ان اوراق کا مطالعہ کریں اور سمجھیں کہ ان کی حقیقی عظمت کا راز کیا ہے؟ اور نسائیت سے کیا مُراد ہے، کیونکہ وہ وقت جب عورت، عورت نہ رہیگی، بڑا سخت وقت ہوگا؛ اس حال میں کہ وہ مرد بھی نہیں بن سکتی۔ پھر فطرت ایسی متحمل نہیں کہ وہ اپنی دنیا میں ایک ایسی تیسری جنس کو جسے اس نے کبھی پیدا نہیں کیا، قائم رہنے دے!!!

Shahab

نیاز فتحپوری

بھوپال

بیگمات کیلئے سبق آموز کتابیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
[illegible] کا گھر	عمر	بہترین اخلاق	۸ر	نظام حیات انسانی	۸ر	[illegible] کنگ جارج	عار	سیرۃ مصطفیٰ	عمر
[illegible]	عار	[illegible] محبت	[illegible]	ذکر مبارک	۸ر	[illegible]	۲ر	[illegible]	۸ر
[illegible] اول	سے	تذکرۃ الحبیب	عمر	الزہرا	۱۲ر	عرض محبت	۴ر	[illegible]	[illegible]
[illegible] دوم	سے	واجب الوجود	[illegible]	بہشتی جوہر	۸ر	قرۃ العین	۲ر	[illegible] زندگی	[illegible]
عصمت النساء	[illegible]	عورتوں کی انشا	[illegible]	پیاری سہیلی	۱۰ر	بچوں کی پرورش	عار	تندرستی	[illegible]
خاتون جنت	[illegible]	بیوی کی تعلیم	[illegible]	[illegible]	۳ر	بشریٰ	۸ر	[illegible]	۱۲ر
سوکن کا جلاپا	[illegible]	حلیمہ خانم	۱۲ر	تندرستی	۱۰ر	[illegible] خطوط	۵ر	[illegible] النساء	[illegible]
بیوی کی تربیت	[illegible]	تربیت اطفال	[illegible]	بچوں کی کہانیاں	۱۱ر	قومی گیت	۵ر	عجائب قدرت	۸ر
بہشتی زیور [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	امام حسین	[illegible]	تعلیم نسواں	۶ر	[illegible] کامل	[illegible]
بہشتی گوہر	۱۰ر	میلاد نامہ	[illegible]	بنات النعش	۸ر	بہترین جہیز	۲ر	[illegible]	۲ر
تہذیب نسواں	عار	مراۃ العروس	[illegible]	[illegible] بیگم اول	[illegible]	اصلاح الرسوم	[illegible]	[illegible]	۲ر
[illegible]	[illegible]	اولاد کی [illegible]	[illegible]	[illegible] دوم	[illegible]	[illegible] مناجات	۲ر	[illegible]	[illegible]
ہدایات [illegible]	[illegible]	رویائے صادقہ	[illegible]	نو بہار زندگی	۱۲ر	پردہ نسواں	۴ر	انتظام خانہ داری	[illegible]
اقبال [illegible]	[illegible]	حرز طفلاں	[illegible]	آئینہ زندگی	۸ر	انشائے نسواں	۲ر	سرگذشت	۲ر
برکات [illegible]	۸ر	سگھڑ بیٹی	[illegible]	صحت النساء	[illegible]	آغاز اسلام	۱۲ر	خطوط شبلی	[illegible]
سیرۃ عائشہ	عار	[illegible]	[illegible]	سبیل الجنان	[illegible]	حوران جنت	۴ر	مقصد ازدواج	۱۰ر
حسن معاشرت	[illegible]	شمع [illegible]	[illegible]	سیر المستورات	۱۲ر	نور جہاں بیگم	[illegible]	حفظ صحت	[illegible]
جواہر تربیت	۱۲ر	[illegible]	[illegible]	[illegible] کہانیاں	۱۰ر	[illegible] صحت	۸ر	ہندوستانی گھر [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible] زندگی	[illegible]	[illegible] کہانیاں	۱۲ر	[illegible]	۸ر	[illegible]	[illegible]
ایامی	[illegible]	[illegible] زندگی	[illegible]	[illegible] رانی	۶ر	[illegible]	[illegible]	[illegible] معاشرت	۸ر

ملنے کا پتہ - صدیقی بک ڈپو لکھنؤ

DATE	NO.	DATE	NO.
29-9-62	794		
19-12-63	2382		
	✓		